

قَالَ اللَّهُ تَعَالَى الْيَوْمَ لَأُنْزِلَنَّ فِي الْبَيْتِ الْمُحَرَّمِ مِنْ بَنِي إِسْرَءِيلَ هَدًى

# العقائد الصالحة



ترجمہ از تہذیب

خیرۃ السالکین شہداء العارفین علی الشہداء علی السبوح والہ تعالیٰ ثانی

حضرت مولانا محمد غلام غلامی صاحب خانہ دارالعلوم دیوبند

مفتی نعیم الدین مراد آبادی قادیان

قَالَ اللَّهُ تَعَالَى النَّبِيُّ أَوْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ يُبَيِّنُ مِنَ الْفُتُورِ

## العقائد الصحيحة

ترجمہ از تصنیف

زبدۃ السالکین عمدۃ العارفين معی السفتۃ ماحی البدعۃ ثانی الألف ثانی  
حضرت مولانا و مرشدنا خواجہ حاجی حافظ محمد بن جان صاحب  
مجددی نقشبندی قدس سرہ قدس سرہ

حسب حکم

عالی جناب حضرت بابرکت مولانا و مرشدنا آغا حاجی عبدالحمید جان صاحب  
مجددی فاروقی نقشبندی مدظلہ العالی سجادہ نشین درگاہ  
مندرہ سائینداد ضلع حیدرآباد سندھ

ابو محمد محمد مجتہدی

حاجی ڈاکٹر عبد القادر جتوئی

رفیق احمد جتوئی

B - 8 صدیق کورٹس

باتھ آفلیٹڈ - کراچی

# درود فاطمة الزهرا

رضی اللہ عنہا

یہ لا جواب درود ہے فضائل بیان کرنا ممکن نہیں۔ حضرت خاتون جنت سیدۃ نساء فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زوجہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منسوب ہے۔ اس درود پاک کو پڑھنے سے جو فوائد حاصل ہوتے ہیں وہ ان گنت ہیں۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب سے قریب تر ہونے کے لیے یہ درود ایک اعلیٰ درجہ ہے۔

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مَنْ رُوحَهُ مُحَرَّابُ الْأَرْوَاحِ وَ  
الْمَلَائِكَةِ وَالْكَوْنِ ۝ اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مَنْ هُوَ  
إِمَامُ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ ۝ اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مَنْ  
هُوَ إِمَامُ أَهْلِ الْجَنَّةِ عِبَادِ اللَّهِ الْمُؤْمِنِينَ ۝



۱	تعارف	۱۷
۲	دیس باچہ	۱۹
۳	توحید	۲۸
۴	منصب رسالت	۳۲
۵	امت محمدؐ کی کا ۷۳ فرقہ بننا	۳۶
۶	قرآن مجید میں حقیقت و مجاز کا بیان	۴۰
۷	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب حاصل ہوتا	۴۷
۸	ایصال ثواب	۵۸
۹	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانیت و بشریت	۶۲
۱۰	غیر اللہ کی تعظیم	۶۷
۱۱	مردوں کا ستنا	۷۰
۱۲	بارگاہ الہی میں وسیلہ لینا	۷۲
۱۳	غائب کو بلانا	۷۵
۱۴	صالحین کے مقبروں کی زیارت	۷۸
۱۵	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا شفاعت کرنا	۸۵
۱۶	مزارات اولیاء پر عمر رس	۸۷
۱۷	میلاد النبیؐ	۸۹
۱۸	نماز میں حضور علیہ السلام	۹۲
۱۹	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم مبارک کیساتھ تعظیمی لفظ "سیدنا" بڑھانا	۹۴
۲۰	خدا تعالیٰ سے کسی مخلوق کو شریک کرنا	۹۵
۲۱	معاذ اللہ، خدا تعالیٰ کا جھوٹ بولنا	۹۷
۲۲	اولیاء اللہ سے امداد طلب کرنا	۹۸
۲۳	بچوں کے نام، انبیاء و اولیاء سے مشوب کرنا	

# تعارف

صائب کا سلسلہ جو ۲۷ پشتوں سے خلیفہ ثانی حضرت عمر  
ابن الخطاب رضی اللہ عنہ تک جا پہنچتا ہے۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی  
قدس اللہ سرہ (جنگی پیدائش ۳۲ پشت میں ہوئی) سے لیکر حضرت خواجہ عبدالحمید  
مدظلہ العالی تک نیچے دیا گیا ہے۔ جس میں محترم حضرت صاحب کے بڑے صاحبزادے  
کا نام نمبر دار لکھا ہوا ہے۔

تاریخ وصال	نام	قیوم رحمانی حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرسبز
۱۰۲۴ھ	سرسبز	قیوم ثانی حضرت خواجہ محمد معصوم (۱) (اول عمرو الوثقی)
۱۰۶۹ھ	سرسبز	قیوم زمان حضرت خواجہ محمد صبغة اللہ
۱۱۲۲ھ	سرسبز	قدوة العالمین حضرت خواجہ محمد اسماعیل شہید
۱۱۲۶ھ	سرسبز	عوث الاعوان حضرت خواجہ غلام محمد معصوم ثانی
۱۱۶۸ھ	پشاور	قدوة الاولیاء حضرت شاہ غلام محمد
۱۲۰۳ھ	سرسبز	قدوة العارفين حضرت شاہ غلام حسن پشاور
۱۲۲۶ھ	قندھار	قیوم جہاں حضرت شاہ غلام نبی قندھاری
۱۲۳۸ھ	سرسبز	قطب زمان حضرت شاہ فضل اللہ
۱۲۶۱ھ	سرسبز	قدوة السالکین حضرت شاہ عبدالقیوم
۱۳۱۵ھ	گنجان	سراج الاولیاء حضرت خواجہ عبدالرحمان جان

مزار شریف  
گنجوہ کراچی  
سندھ

تاریخ وصال  
۱۳۶۵ھ

۲۰ ربیع الاول ۱۳۶۵ھ

زبدۃ السالکین حضرت خواجہ محمد حسن جان ثانی الالف ثانی  
قطب الاقطاب حضرت خواجہ عبدالقدیر جان المعروف

۳۰ ربیع الاول ۱۳۹۲ھ

حضرت شاہ آغا

۱۴۶۷ھ

امام العارفین حضرت خواجہ غلام علی جان

حضرت خواجہ حاجی عبدالحمید جان منزلہ العالی اس وقت مسند نشین  
ہیں۔ آپ کے بڑے صاحبزادے خواجہ حاجی عبدالوحید جان موروث کے دینی مدرسہ  
میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

نوٹ ۱۔ حضرت امام ربانی، مجدد الف ثانی کے وصال کے بعد آپ  
کی اولاد اجماع پہلی سے چوتھی پشت تک سرسبز شریف (ریاست پٹیالہ) میں  
مقیم رہیں۔ پانچویں سے نویں پشت تک پشاور اور قندھار میں مقیم رہیں۔ اور  
دسویں پشت سے سندھ میں سکونت اختیار کی۔ آپ کی درگاہ ٹنڈو محمد خان کے  
قریب ایک چھوٹے سے گاؤں (ٹنڈو سائیں داد) میں واقع ہے۔

### سراج الاولیاء حضرت خواجہ عبدالرحمان جان کی سندھ میں آمد

جب افغانستان میں امیر ایوب خان اور امیر عبدالرحمان کے درمیان  
تحت کیے جنگ چھڑی اس وقت عام مسلمان امیر ایوب خان کی طرف تھے۔ اور  
انگریز امیر عبدالرحمان کی طرف تھے۔ جنگ میں ایوب خان کو شکست ہوئی  
اور وہ ملک چھوڑ کر فرار ہو گیا۔

امیر عبدالرحمان کے تحت پر میٹھے بنی غازیوں پر بڑے ظلم و ستم کیے  
گئے۔ اکثر بہادر سردار قتل کر دیے گئے۔ اس لیے بہت سے مجاہدین افغانستان  
سے ہجرت کر گئے۔ حضرت خواجہ عبدالرحمان بھی ان ہی غازیوں میں شامل تھے۔



جنہوں نے اپنے وطن کو خیر یاد کہا۔

سندھ میں پہلے بھی آپ کے بہت سے مریدین و معتقدین تھے۔ جن کے پاس دیسے بھی آپ ہمیشہ آتے رہتے تھے۔ افغانستان چھوڑنے کے بعد آپ نے ریاست قلات کے رئیس فقیر محمد متوفی کے پاس قیام فرمایا۔ اس کے بعد میانہ میں مولوی حامد اللہ اور ملا عبدالحکیم کے پاس کچھ دن قیام کرنے کے بعد گرمی میں میں رئیس اعظم عطاء اللہ خان کے پاس قیام فرمایا۔ اس کے بعد مٹیاری میں تشریف لائے۔ جہاں آپ کے بہت زیادہ مرید تھے۔

ہر جگہ پر مریدوں نے اصرار کیا کہ آپ ہمارے پاس رہیں۔ لیکن آپ نے ہر ایک کو یہی جواب دیا کہ ہم یہاں رہنے کیلئے نہیں آئے ہیں۔ ہمارا وطن جانے کا ارادہ ہے۔ مٹیاری میں آپ کے مخلص مرید میران محمد شاہ اول (مکھڑی) نے بہت زیادہ اصرار کیا۔ کہ مکھڑی میں چل کر رہیں۔ حضرت صاحب نے شاہ صاحب کی گزارش قبول فرمائی اور مکھڑی میں تشریف فرما ہوئے۔ تقریباً ڈیڑھ سال مکھڑی میں قیام کرنے کے بعد عربستان تشریف لے گئے۔ وہاں پانچ سال گزارنے کے بعد ۱۳۰۵ھ میں مکھڑی واپس تشریف لائے۔

مکھڑی میں آپ کی تشریف آوری سے مکھڑی کا چھوٹا سا گاؤں روحانیت اور معرفت کا مرکز بن گیا۔ ہند، سندھ اور کابل قندھار کے لوگ آپ سے فیض حاصل کرنے کیلئے بڑی مسافت طے کر کے مکھڑی پہنچتے تھے۔ آپ کی صحبت میں ہزاروں راہ حق کے متلاشی اپنی منزل تک پہنچے اور واصل باللہ ہو گئے آپ کا فیض اب بھی جاری و ساری ہے۔ آپ نے اپنی زندگی کے تقریباً دس سال مکھڑی میں گزارنے کے بعد ۱۳۱۵ھ میں اس دار فانی سے رحلت فرمائی۔ آپ کا مزار مبارک جنجوعہ مکہ کے دامن میں مکھڑی سے تین میل شمال مشرق

میں واقع ہے۔

## زبدۃ السالکین حضرت خواجہ محمد حسن جانؒ؟

حضرت خواجہ محمد حسن جانؒ اپنے والد صاحب کے وصال کے بعد مسند نشین ہوئے۔ ایک سال کا عرصہ مکہ مکرمہ میں گزارا۔ ۱۲۱۶ھ میں مکہ مکرمہ کو چھوڑ کر ٹنڈو سائیندا میں مستقل سکونت اختیار کی اور آج تک آپ کی درگاہ اس قصبے میں ہے۔ جناب حضرت قبلہ گاہ ہم قدس سرہ کی ولادت باسعادت بتاریخ ۶ شوال ۱۲۷۸ھ کو قندھار میں ہوئی۔ آپ کی ظاہری و باطنی تعلیم و تربیت آپ کے والد ماجد نے کی۔ جو اپنے وقت کے جلیل القدر عالم اور ولی اللہ تھے۔ اس کے بعد دو سال تک مٹیار می کے مشہور مولوی لال محمد صاحب سے دینی علوم کی تعلیم حاصل کی اور پانچ سال عرب میں جا کر اس وقت کے ممتاز عالم حضرت مولانا رحمت اللہ مہاجر مکی کے پاس مدرسہ ”صولتیہ“ میں اپنے علم کی تکمیل کی اور مکہ مکرمہ کے مفتی شیخ احمد زینی دحلان سے علم حدیث حاصل کیا۔ اور روایت صحاح ستہ کی اجازت بھی ان سے حاصل کی۔ اس کے بعد آپ کو قرآن پاک حفظ کرنے کا شوق ہوا۔ تھوڑے عرصے میں یا مین پارے مکہ شریف میں حفظ کیے اور باقی آٹھ پارے مکہ مکرمہ میں آنے کے بعد حفظ کیے۔

آپ کی عمر مبارک ۸۷ سال تھی۔ اس مدت میں پانچ مرتبہ حج مبارک کرنے کی سعادت پائی۔ سات مسجدیں تعمیر کرائیں۔ گیارہ مدرسے قائم کیے۔ اور باوجود اپنی عظیم العمرمتی کے آپ تبحر علمی اور تصنیف و تالیف دینیہ میں اس قدر دسترس رکھتے تھے کہ آپ کی مختلف تصانیف آپ کے حیات مبارک میں ہی بہت مقبول عام و خواص ہوئیں۔ اور ان کے تراجم مختلف زبانوں میں شائع



ہوئے۔ آپ نے تقریباً پچیس<sup>۱۵</sup> کتابیں اور اُس کے علاوہ دوسرے چھوٹے نمائے تصنیف فرمائے، مثلاً:

۱۔ انیس المریدین (۱۳۱۶ھ - فارسی) اس کتاب میں آپ نے اپنے والد بزرگوار حضرت خواجہ عبدالرحمان کی سوانح حیات لکھی ہے۔ تصوف کے اسرار اور اذکار کے مقامات اور وہ کرامتیں جو اُن کے والد بزرگوار سے ظہور پذیر ہوئیں، درج ہیں۔ دو سو صفحات پر مشتمل یہ کتاب خواص و عام کیلئے بہت قیمتی بخش ہے۔ اس کا سندھی ترجمہ زیر طبع ہے۔

۲۔ تذکرۃ الصلحاء (فارسی - ۱۳۲۶ھ) اس کتاب میں حضرت مصطفیٰ نے مختلف بزرگوں کے حالات و ملاقات ہوئی بیان فرماتے ہیں۔ یہ بطرح طرح کے مشاہدات بزرگان کرام اور عجائبات چشمدید درج فرمائے ہیں۔ بیاسی صفحات پر مشتمل اس کتاب کا اردو ترجمہ بھی حضرت مصطفیٰ کی حیات مبارک میں شائع ہو چکا ہے۔ اس کے سندھی ترجمہ کا کام حضرت خواجہ محمد حسن جان اکیڈمی کی طرف سے ہو رہا ہے۔

۳۔ شرح حکم (فارسی - ۱۳۲۵ھ) اصل کتاب عربی زبان میں شیخ عطاء اللہ سکندری کی لکھی ہوئی ہے۔ جس کی شرح مختصراً اور واضح طرح سے لکھی گئی ہے۔ تصوف کی یہ کتاب سالکان حق کیلئے ایک عجیب تحفہ ہے جبکہ اس کتاب کی پہلے بھی کئی شرطیں لکھی جا چکی ہیں۔ لیکن شاید اتنا آسان اور واضح کبھی نہ لکھی گئی ہو۔ دو سو آٹھ صفحات پر مشتمل اس کتاب کا سندھی اردو ترجمہ حضرت خواجہ محمد حسن جان اکیڈمی کی طرف سے زیر طبع ہے۔

۴۔ الاصول الاربعہ (فارسی - ۱۳۲۶ھ) اس کتاب میں چار بنیادی

اصولوں کا بیان حنفیہ عقیدے کے مطابق کیا گیا ہے۔ (i) غیر اللہ کی تعظیم (ii) وسیلہ لینا (iii) تلامذہ غائب (iv) چاروں عقیدوں میں سے کسی ایک کی تقلید کرنا۔ ایک سو ستائیس صفحوں پر مشتمل یہ کتاب آپ کے حیات مبارک میں ہی ہند، سندھ، افغانستان کے علاوہ عرب اور عجم کے دوسرے ممالک میں بھی بہت مقبول ہوئی۔ اس کا ایک ایڈیشن ۱۹۷۸ء میں ترکی سے بھی شائع ہوا۔ اس کا سندھی ترجمہ زیرِ طبع ہے۔

۵۔ طریق النجیات (فارسی ۱۳۳۹ھ) یہ کتاب حضرت امام غزالیؒ کی کتاب ”کیمیاء سعادت“ کی طرح لکھی گئی ہے۔ یہ کتاب ایک کسوٹی ہے۔ جس کے مطالعہ سے کھمرے اور کھوٹے طریقے کی پرکھ ہو جاتی ہے۔ ایک مشعل ہے جس کی روشنی میں ہدایت و ذلالت میں فرق کرنے کی مجھ پیدا ہو جاتی ہے۔ اور عقائد کے سلسلہ میں محبت آل و اصحاب، ضرورت تقلید، تعریف بدعت جمالی گئی ہے اس کے علاوہ اعمال بدنیہ کے تحت نماز روزے وغیرہ کا بیان اعمال روحانیہ کے تحت مذمت کینہ حسد و بغل اور حرص وغیرہ کا اور محبت الہی اور سبحانہ و تعالیٰ کے تحت رضا، اخلاص، صدق وغیرہ اور مسئلہ تقدیر کا بیان اس خوبی سے کیا گیا ہے کہ کبھی دوسری کتاب میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ یہ کتاب دو سو چھیانوے صفحات پر مشتمل ہے۔ اور حضرت مصطفیٰؐ کے صاحبزادے حضرت مولانا حافظ محمد اسماعیل صاحب کا اردو ترجمہ (اصل عبارت کے سامنے) خود حضرت مصطفیٰؐ کے حیات مبارک میں شائع ہوا۔ اور بہت مقبول ہوا۔ اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن ترکی سے شائع ہوا ہے۔ اور اردو ایڈیشن ۱۹۷۹ء میں سیالکوٹ سے بھی شائع ہوا ہے۔

۶۔ العقائد الصحیحہ (عربی ۱۳۶۰ھ) اہل سنت والجماعت کے صحیح عقیدوں پر لکھی ہوئی یہ کتاب (جو آپ کے ہاتھوں میں سے ہے) بھی حضرت قبلہ کی حیات



مبارک میں ہی عرب اور عجم میں بہت مقبول ہوئی۔ اس کا اردو ترجمہ بھی انہی دنوں میں شائع ہو چکا تھا۔ اس کتاب کے ۱۰۴ صفحات پر مشتمل سندھی ترجمہ کے دو ایڈیشن ۱۹۸۳ء و ۱۹۸۴ء میں حضرت خواجہ محمد حسن جان اکبر علی کی طرف سے چھپ چکے ہیں۔

- ۸۔ شفاء الامراض (فارسی) - ۱۳۱۴ھ - ۸۔ رعبود و موافق (عربی)
  - ۹۔ پنج گنج (فارسی) - ۱۳۲۱ھ - ۱۰۔ سفرنامہ عربستان (فارسی) - ۱۳۳۲ھ
  - ۱۱۔ عجائب المقدرات (فارسی) - ۱۳۳۶ھ - ۱۲۔ اشارة الى البشارة - (عربی)
  - ۱۳۔ انساب الانبياء (فارسی) - ۱۳۴۵ھ - ۱۴۔ لغات القرآن (عربی)
  - و دیگر رسائل مثلاً سالہ (i)، ترجمہ مہمدین - (عربی) - ۱۳۵۶ھ - (ii) در سلوک و کیفیت نقشبندیہ (فارسی) - (iii) وحدۃ الوجود و وحدۃ الشہود (فارسی)
  - (iv) رسالہ التثویب فی اثبات التقدير (عربی) - اردو - ۱۳۶۹ھ
  - (v) رسالہ فی باب صحۃ الجمعة (عربی) - (vi) رسالہ در قواعد تجوید (فارسی)
  - عربی - (vii) رسالہ تہلیلۃ - (فارسی) - ۱۳۵۷ھ وغیرہ
- حضرت خواجہ محمد حسن جان کو لوگ مختلف القاب سے یاد کرتے تھے آپ کو حضرت وقت، قطب الاقطاب اور ثانی المجدد الف ثانی بھی کہتے تھے خواجہ صاحب کا کمال یہ تھا کہ آپ کے عقیدہ مندوں کے حلقے میں زیادہ تر عالم و فاضل لوگ تھے۔ اور ساتھ ہی انگریزی تعلیم یافتہ لوگ بھی بڑی تعداد میں تھے۔ حالانکہ یہ دونوں طبقے پیروں فقیروں کے معتقد نہیں ہوتے۔ بلکہ مخالف ہوتے ہیں۔

حضرت صاحب مریدوں اور عقیدہ مندوں کو نماز قائم کرنے اور فجر کی نماز سے لیکر طلوع آفتاب تک مراقبے میں بیٹھ کر ذکر الہی کرنے کی تلقین



فرماتے تھے۔ آپ کے اکثر مرتبہ تہجد گزار و شب بیدار تھے اور اکثر صاحب ولایت بھی تھے۔

حضرت صاحب اکثر پربلال نظر آتے تھے۔ آپ کی مغل میں ہر ایک دم بخود ہوتا تھا۔ کسی کو بات کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ آپ جس قدر خلوت میں جلالی نظر آتے تھے اسی قدر خلوت میں جمالی معلوم ہوتے تھے۔ اگر کوئی شخص دعا کیلئے گزارش کرتا، اور آپ خاموش رہتے تو اس کے دل کی مراد قبولیت کے درجہ تک پہنچ جاتی تھی۔ آپ کا کشف بھی حد کمال کا تھا۔ کہ عرض کرنے سے پہلے ہی جواب مل جاتا تھا۔

جیسا کہ حضرت امام ربانیؒ نے فرمایا ہے کہ آپ کی اولاد میرے قطیعت قیامت تک قائم رہے گی حضرت صاحب ممدوح آپ کی پشت میں وقت کے قطب بلکہ قطب الاقطاب تھے۔ اور آپ کے بعد آپ کی آل اولاد بھی قطیعت سے سرفراز ہوئی۔

چونکہ اس دار فانی سے دار بقولہ کی طرف ہر ایک کو جانا ہے۔ حضرت صاحبؒ نے بھی تقریباً پالیس دن کی بیماری کے بعد بروز پیر ۲۷ جمادی الثانی ۱۰۶۵ھ ۶ جون ۱۶۵۶ء ستاسی سال کی عمر میں رحلت فرمائی۔  
 اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

### قطب الاقطاب حضرت خواجہ عبداللہ جان المعروف شاہ آغا

اپنے والد صاحب کے انتقال کے بعد مسند نشین ہوئے۔ آپ کی ولادت با سعادت ۸ ماہ جمادی الاول ۱۰۵۰ھ میں مکہ شریف میں ہوئی۔ دس سال کی عمر تک اپنے دادا حضرت خواجہ عبدالرحمانؒ کی گود میں

تربیت و تعلیم حاصل کی۔ فارسی کتاب پوری کرنے کے بعد عربی کا پہلا سبق  
 ”صرف بہائی“ آپ سے لیکر اس کے بعد باقاعدہ دینی علوم کی کتابیں  
 مولوی عبد القیوم بختیار پوری، مولوی لعل محمد میاروی اور مخدوم حسن اللہ  
 پانڈی کے پاس پڑھی اور باقی تعلیم مولوی فیروز محمد تنگسی کے پاس پوری کی۔  
 آپ کی عمر مبارک ۸۳ سال تھی۔ اس عمر میں چار حج کیے۔ چند  
 مسجدیں تعمیر کروائیں۔ کافی مدرسے قائم کیے۔ اور تقریباً پندرہ کتابیں اور  
 چھوٹے رسالے تصنیف کیے۔ مثلاً انتخاب مکتوبات شریعت (فارسی) جس  
 میں ہر ایک مکتوب کا اختصار باب کے مطابق مرتب کیا ہے۔ مثلاً پہلا  
 باب عقائد اہلسنت والجماعت دوسرا باب مسائل فقہ اور تیسرا باب حقائق  
 و مصارف۔

۲۔ اربعین مکتوبات (فارسی) جس میں پالیس آسان مکتوب منتخب  
 کر کے شاگردوں کو پڑھانے اور یاد کرانے کیلئے لکھی ہیں۔  
 ۳۔ مؤنس المخلصین۔ (فارسی) جس میں اپنے والد بزرگوار حضرت خواجہ  
 محمد حسن جان کی سوانح حیات لکھی ہے۔  
 ۴۔ حفظ حدیث۔ (فارسی) یہ کتاب حدیث کے مفکروں کے رد میں لکھی ہے۔  
 ۵۔ ہدایت الحج۔ (سندھی) یہ کتاب حج کے مسائل کیلئے بے نظیر ہے۔  
 ۶۔ راحت القلوب۔ (سندھی) جس میں روحانی و جسمانی بیماریوں کا علاج  
 لکھا ہے۔

۷۔ راحت المخلصین (سندھی) اس کتاب میں اپنے بچپن کے دور کا احوال  
 تعلیم و تربیت علم و ذوق شوق اور وعظ و نصیحت لکھی ہیں۔  
 ۸۔ الارشاد شرح بابت سعاد۔ (سندھی) اس کتاب میں ایک عربی



تفسیر کی شرح اور حل ترکیب لکھی ہے۔

۹۔ احسن الوسائل فی تحقیق المسائل - (سندھی) اس کتاب میں مختلف مسئلوں اور سوالوں کے جواب لکھے ہیں۔

۱۰۔ مخزن العلوم - (سندھی) حصہ علم وادب کا۔ حصہ علم قرأت و تفسیر علم فقہ کا۔ حصہ علم حدیث کا۔ حصہ علم تعویذات کا۔ اور حصہ علم طب کا۔  
۱۱۔ شرح قافیہ (عربی) اس کتاب میں قافیہ کی شرح لکھی ہے۔

۱۲۔ طب میں تفریف الامراض اور تفریق الامراض دو کتابیں لکھی ہیں  
(۱) پہلی کتاب عربی زبان میں ہے۔ اور دوسری کتاب فارسی زبان میں ہے۔  
۱۳۔ برگ سبز - (فارسی) اس کتاب میں درخت نیم کے فائدے بیان کیے ہیں۔

نوٹ: حضرت صاحب اپنے ذاتی خدمت سے کتابیں چھپوا کر مفت تقسیم کرتے تھے۔ جس قدر آپ کی تحریر میں اثر تھا اس سے زیادہ آپ کی نگاہ میں اثر تھا۔ جن پر آپ نے نگاہ ڈالی۔ اُس کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہدایت نصیب ہوئی۔ مطلب یہ کہ آپ نے اپنی ساری زندگی مریدین اور معتقدین کی باطنی اور ظاہری تعلیم و تربیت میں گزاری۔ اپریل ۱۹۷۲ء میں چمبہ کے راستے میں آپ کی جیپ کی ٹکرائیج بس سے ہوئی جس میں آپ شدید زخمی ہو گئے۔ اور آپ کو زخمی حالت میں جامشورو ہسپتال میں داخل کیا گیا۔ آپ کے ہزاروں مرید معتقد ہسپتال میں پہنچے۔ اور رئیس غلام مصطفیٰ خان اور رئیس غلام مجتبیٰ خان جنٹوئی بھی آپ کی مزاج پُرسی کیلئے ہسپتال میں پہنچے۔ لیکن آپ نے کسی سے بھی اپنی تمکلیف کا کوئی افہام نہیں کیا۔ اور اُس وقت بھی کوئی نماز نہ رک نہ کی۔ خلیفہ سائیداد اور ماسٹر نور محمد چٹان اور اُن



کے فرزند محمد قاسم اور مبارک علی رات دن آپ کی خدمت میں رہتے تھے۔  
 بن کا آپ نے پہلے ہی اس خدمت کیلئے انتخاب کر لیا تھا۔ آپ ایک ہفتے تک  
 ہسپتال میں زہرِ علاج رہے۔ آخری رات عشاء کی نماز کے بعد قرآن شریف  
 پڑھنا شروع کر دیا۔ تہجد کے وقت قرآن پاک تم کر کے آنکھیں بند کر لیں۔  
 جس کو نیند بھا گیا۔ حالانکہ وہی آپ کا وصال تھا۔ آپ نے ۲ ربیع الاول  
 ۱۳۹۳ھ بمطابق ۷ اپریل ۱۹۷۳ء کے دن دارالبقاء کی جانب سفر  
 اختیار کیا۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

امام العارفین حضرت خواجہ غلام علی جان

حضرت خواجہ غلام علی جانؒ اپنے والد حضرت خواجہ عبداللہ جانؒ  
 المعروف شاہ آقا قدس سرہ العزیزہ کے انتقال کے بعد مسند نشین ہوئے  
 آپ کی ظاہری و باطنی تعلیم و تربیت اپنے دادا حضرت خواجہ محمد حسن جانؒ  
 سے ہوئی۔ اور باقی تعلیم ٹھٹھہ کے دینی مدرسہ میں حاصل کی۔ حضرت صاحب  
 نے اپنی ساری زندگی عبادت، ریاضت اور فقر و فاقہ میں گزاری۔ آپ کی  
 بیٹھک ایک چھوٹی سی کچی کوٹھڑی میں تھی۔ جس میں ایک چارپائی، ایک چٹائی  
 دو تین پیالے اور ایک کیتلی نظر آتی تھی۔ حضرت صاحب اکثر مستغرق  
 مراقبہ رہتے تھے۔ اور اسی کیفیت میں حاضرین میں سے کسی پر ایک نگاہ  
 ڈالنے سے اس کو باطنی فیض سے اتنا نوازتے تھے کہ وہ بے قابو ہو جاتا تھا  
 اور نتیجہً واصل باللہ ہو جاتا تھا۔ آپ یتیموں، مسکینوں، غریبوں اور  
 چھوٹے بچوں سے پیار کرتے تھے۔ اسیلئے آپ کو لوگ ”غریب نواز“ کہتے

تھے۔ میان محمد منیر ابطو، ولی محمد سومرو، ایوب فقیر سومرو اور دلوجان پٹھان آپ کے خاص خادم تھے۔ آپ سفر میں محمد منیر کو ساتھ رکھتے تھے۔ ماہ رجب ۱۳۹۷ھ میں آپ حاجی کریم بخش جتوئی محمد منیر اور امام بخش خان جتوئی کے ہمراہ عمرہ کیلئے تشریف لے گئے۔ وہاں آپ کی عجیب و غریب کرامتیں ظاہر ہوئیں۔ (جنگہ افہار کی ایازت نہیں ہے) آپ ایک مہینہ کے بعد واپس آئے۔ اور چند دنوں کے بعد تاریخ ۲۵ شعبان کو رحلت فرمائی۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

### حضرت خواجہ عبدالحمید جان مدظلہ

حضرت الحاج خواجہ عبدالحمید جان مدظلہ کی ظاہری و باطنی تربیت اپنے دادا حضرت آغا عبداللہ جان کے پاس ہوئی۔ آپ کسبی سے ہی سفر و حضر میں اپنے دادا کے ساتھ رہتے تھے۔ آپ اپنے والد بزرگوار کے وصال کے بعد ۱۳۹۷ھ میں مسند نشین ہوئے۔ آپ کو ۱۳۹۷ھ میں حج کی سعادت نصیب ہوئی۔ اور مسند نشینی کے دوسرے سال آپ کو حضور علیہ صلوٰۃ والسلام کے روضۂ اقدس پر حاضری کا شرف حاصل ہوا۔ آپ تقریباً دو ماہ تک مدینہ طیبہ میں قیام کے دوران حضور علیہ صلوٰۃ والسلام کی ظاہری و باطنی عنایات و توجہ خاصہ سے سرفراز ہوئے۔ اسی سال پھر آپ کو دوسری مرتبہ حج کی سعادت نصیب ہوئی۔ آپ سنڈو سائینڈا و ضلع حیدر آباد میں سلسلہ مجددیہ کے چرخ کو حسب دستور روشن کیے ہوئے ہیں۔

ابو محمد محمدی  
(قلام اکبر جتوئی)

پیر ۱۵ جمادی الثانی ۱۴۰۲ھ  
مطابق ۱۹ مارچ ۱۹۸۲ھ



## ۲۔ دیباچہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَالسَّلَامُ عَلٰی نَبِیِّہٖ وَرَسُوْلِہِ الْمَصْطَفٰی  
وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ الْبَرَرۃِ اَہْلِ الثَّقَلِ -

حمد و صلوٰۃ کے بعد عبد صغیف محمد حسن فاروقی حنفی گزارش کرتا ہے۔  
کہ عہد حاضر میں ولایت اور حنفیہ کے درمیان کمال اختلاف پڑا ہوا ہے۔  
عام عقائد میں حتیٰ کہ الہیات میں اور مفہوم رسالت میں اور ان مسائل  
شرعیہ میں بھی اختلاف ہے۔ جو عقائد سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور یہ اختلاف اب  
ایک دوسرے کی تکفیر تک پہنچ چکا ہے۔ جسکی وجہ سے اُمت محمدیہ میں ناگفتہ بہ  
تشتت و افتراق پڑ گیا ہے۔ اس لیے میں نے یہ ارادہ کر لیا ہے کہ اس  
مختصر کتاب میں اہل سنت والجماعت کے عقائد مختصر طور پر بیان  
کروں اور حتیٰ الوسع مخالفین کے اقوال نقل کرنے سے کنارہ کش رہوں۔ مگر  
بقدر ضرورت نقل بھی کروں گا۔ اور خدا سے امید کرتا ہوں کہ وہ مسلمانوں  
کو کجروی اور غلطی سے محفوظ رکھے کہ اس کتاب کی طفیل سے ان کو فائدہ  
پہنچے گا۔ آئندہ خدا مالک ہے جو چاہے کرے، اسی کی بارگاہِ عالی میں میری  
درخواست منظور ہو سکتی ہے۔ واضح رہے کہ میں اس رسالہ میں عموماً مآخذ احادیث  
شریفہ سے دلیل پیش کروں گا، نہ اقوالِ آئمہ سے اور نہ اقوالِ علمائے اسلام  
سے، مگر بقدر ضرورت پیش کرتا جاؤں گا۔ تاکہ ان کی قابلِ قدر قیاسات  
شرعیہ مخالفین کی بدزبانیوں سے محفوظ رہیں۔ کیونکہ ان کی عادت ہے  
کہ کوئی حدیث جب ان کے خیال کے مطابق نہ ہو تو کہہ دیا کرتے ہیں کہ وہ  
ضعیف ہے۔ یا موهوم ہے۔ اگرچہ اکابر اسلام نے اس حدیث کو استدلال



کے موقع پر پیش کیا ہو چنانچہ جناب امام غزالیؒ، امام سیوطیؒ، شیخ عبدالحقؒ،  
 محدث دہلویؒ اور محدث لاعلیٰ قاریؒ وغیرہم ایسے استدلال پیش کر  
 چکے ہیں۔ اور مخالفین حسبِ عادت ائمہ دین اور اکابر اسلام کے ایسے  
 استدلال جب دیکھتے ہیں تو ان کے حق میں گستاخی کرنا شروع کر دیتے ہیں  
 خدا ہی ان کو سنبھالے، ایسے میں عموماً اس موقع پر قرآنی آیات ہی پیش  
 کروں گا جس کی مخالفت اور اصرار صریح نہیں ہو سکتی، کیونکہ وہ خدا سے  
 حکیم و حمید کا کلام ہے۔ علاوہ ازیں موضع اختلاف میں انصاف سے فیصلہ  
 کروں گا۔ اور قول باطل پر قدم نہ جماؤں گا۔ اس کے بعد اس رسالہ کا نام  
 میں نے **الْعُقَايِدُ الصَّحِيْحَةُ** رکھا ہے۔ اب سب سے پہلے میں وہ مضمون  
 لفظ بہ لفظ پیش کرتا ہوں۔ جو حضرت امام حجة الاسلام محمد الغزالی رحمۃ اللہ  
 نے توحید اور الہیات اور منصب رسالت کے متعلق اپنی کتاب **قَوَائِدُ الْعُقَايِدِ**  
 میں بیان کیا ہے۔ کیونکہ وہ مضمون اس مقام کیلئے بہت ہی موزون ہے۔ آپ  
 لکھتے ہیں کہ **الْحَمْدُ لِلَّهِ الْمُبْدِي الْمَعْيُدِ الْفَعَّالِ لَا يُرِيدُ ذِي الْعَرْشِ**  
**الْمُجِيدِ وَالْبَلَطِ الشَّهِيدُ الْهَادِي صَفْوَةُ الْعَبِيدِ إِلَى الْمُنْتَهَى الرَّ**  
**شِيدُ وَالْمَسْلُوكِ السَّيِّدُ الْمُنْعِمُ عَلَيْهِمْ بَعْدَ شَهَادَةِ**  
**التَّوْحِيدِ بِحَدَاسَةِ عُقَايِدِهِمْ مِنْ ظُلُمَاتِ الشُّكْكِ وَالزُّوْغِ**

## ۳۔ توحید

خدا تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندوں کو جناب رسالت مآب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تابعداری کے لئے انتخاب کر لیا ہوا ہے اور آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے نقش قدم پر چلنے کے لئے چھ لیا ہے۔ اپنی تائید اور توفیق سے خدا نے تعالیٰ اپنی ذات اور اپنے افعال میں اپنے اوصاف حسنہ کے ذریعہ سے ان پر جلوہ گر ہے۔ مگر ان صفات کو وہی دریافت کر سکتا ہے۔ جو غور سے سنے اور خدا کو حاضر و ناظر سمجھے۔ اس نے یہ بھی ان کو بتا دیا ہے۔ کہ وہ اپنی ذات میں یگانہ ہے۔ ایسا قدیم ہے۔ جس کی ابتدا نہیں ہمیشہ موجود ہے۔ جسکی آخری حد نہیں۔ ازل وابد میں موجود ہے۔ جسکی انتہا نہیں، مستقل بالذات ہے۔ کسی قسم کی کسر اس کی ذات میں باقی نہیں، دائم و قائم ہے۔ جس کا خاتمہ نہیں، صفات جلالیہ کے ساتھ انہی وابدی وجود ہے۔ اس کے متعلق یہ کہی فیصلہ نہیں دیا جاسکتا کہ اسکی دائمی زندگی کے اوقات ختم ہو چکے ہیں یا اسکی مدت حیات گزر چکی ہے۔ وہی اول ہے وہی آخر ہے، وہی ظاہر ہے، وہی باطن ہے اور وہی ہر چیز کو ہمیشہ سے جانتا بھی ہے۔

## خدا تعالیٰ کا تقدس

خدا کسی جسم اور صورت میں نہیں، نہ محدود چیز ہے جس کا تخمینہ لگایا جائے۔ کسی جسم کی مثل بھی نہیں کہ اس میں قیاس لگایا جائے۔ یا اسکی تقسیم ہو ہو سکے۔ نہ وہ ٹھوس مخلوق ہے نہ غیر مستقل چیز ہے۔ جو دوسرے کے امر سے



سے پائی جائے۔ نہ وہ صفائی چیز ہے۔ نہ صفائی ناپائیدار چیزوں کا مرکز ہے وہ کسی ہستی کی مشل نہیں، نہ کوئی ہستی اسکی مشل ہے۔ بلکہ اسکی مثال کی بھی مثال نہیں۔ اور نہ ہی اسکی مثال

کسی چیز کی مثل ہے کوئی مقدار اس کو محدود نہیں کرتی، نہ اطراف اسکو اپنے اندر سمیٹ سکتے ہیں۔ کوئی جہت اسے اپنے احاطہ میں نہیں لاسکتی۔ زمین و آسمان بھی اسے نہیں سنبھال سکتے۔ وہ اپنے عرش پر قائم ہے۔ مگر اسی طرح جو اس نے خود کہا ہے۔ اور اسی کیفیت سے جو اس کے اپنے ارادہ میں ہے اس کا وہ قیام اتصال اور چھونے سے بالاتر ہے۔ اور اندراج اور جذب سے الگ ہے، اسیں انتقال بھی نہیں، عرش اسے اٹھاتے ہوئے بھی نہیں بلکہ وہ خود اپنے عرش کو اور اس کے اٹھانے والے فرشتوں کو اپنے دست قدرت سے اٹھاتے ہوئے ہے۔ اور اس کے قبضہ میں مقلوب ہیں۔ وہ عرش پر ہے اور آسمان پر بھی۔ بلکہ تحت الثرائے تک ہر چیز پر فائز ہے۔ یہ فوقیت نہ اسے آسمان اور عرش کے قریب کرتی ہے۔ اور نہ زمین اور تحت الثرائے سے دور لے جاتی ہے۔ وہ عرش و آسمان سے بالاتر مرتبہ رکھتا ہے۔ تاہم وہ ہر چیز تحت الثرائے سے بالاتر ہے۔ تاہم وہ ہر چیز کے قریب ہے۔ اور شمع و رگ سے زیادہ اپنے بندہ کے قریب ہے۔ اور ہر چیز کا نگران حال بھی ہے۔ کیونکہ وہ اس طرح قریب نہیں جس طرح کہ جسم قریب ہوتے ہیں۔ اور اسی طرح اس کی حقیقت کسی جمائی حقیقت سے نہیں ملتی۔ نہ وہ کسی میں حل اور تبدیل ہوتا ہے اور نہ کوئی چیز اس میں حل اور تبدیل ہو سکتی ہے۔ وہ اس امر سے بھی بالاتر ہے کہ کوئی مکان اسے اپنے اندر سمیٹ لے جس طرح کہ اس امر سے بھی بالاتر ہے کہ کوئی زمانہ اسے محدود کرے بلکہ وہ خود زمانہ اور مکان پیدا کرنے سے پہلے موجود



تھا اور اب بھی اسی طرح موجود ہے۔ جیسا کہ پہلے تھا۔ وہ اپنے صفات میں اپنی مخلوق سے نرالا ہے۔ اس کی ذات میں اس کا غیر موجود نہیں نہ غیر میں وہ موجود ہے۔ وہ تغیر و تبدل سے پاک ہے۔ نہ حوادث اسمیں جاگزیں ہیں۔ اور نہ صفائی ناپائیدار حالات اسمیں موجود ہیں۔ بلکہ وہ اپنے جلال میں موجود ہے۔ اور زوال سے پاک ہے۔ وہ اپنے صفاتِ کاملہ میں موجود ہے۔ کسی اور تکمیل کی اسے ضرورت نہیں صرف عقل سے اس کا وجود معلوم ہو سکتا ہے۔ اس کی ذات بھی آنکھ سے دیکھی جاسکتی ہے۔ جب کہ دوسری دنیا میں اپنے نیک بندوں پر فضل و کرم کی نگاہ کرے گا۔ اور اپنے مبارک چہرہ کے دیدار سے ان کی تکمیلِ نعمت کرے گا۔

## خدا تعالیٰ کی ابدی زندگی اور قوت

وہ زندہ، طاقتور، صاحبِ قدرت، ہر چیز پر غالب، ہر شے کا دل کا سہارا ہے۔ اس میں کبھی کوئی کوتاہی نہیں، اور نہ عاجزی، نہ اسے نیش آتی ہے، نہ اونگھ، اور نہ اسے فنا اور موت سے پالا پڑا ہے۔ وہ حکومت اور بندوبست کا مالک ہے۔ عزت اور غلبہ کا بھی مالک ہے۔ مخلوق پر تسلط اور غلبہ اُسی کا ہے۔ وہی نسل سے پیدا کرتا ہے۔ اور وہی گئی کہنے سے پیدا کرتا ہے۔ تمام آسمان اس کے دستِ قدرت کے دائرے میں لپیٹے ہوئے ہیں۔ تمام مخلوقات اس کے قبضہ میں مغلوب ہے۔ صرف وہی مادہ اور مادہ کے

کے بغیر پیدا کر سکتا ہے۔ اپنی ایجاد و اختراع میں یکٹا ہے۔ اس نے ہی اپنی مخلوقات کو اور اس کے اعمال کو پیدا کیا ہے۔ اس نے اسکی روزی اور موت کا صحیح اندازہ لگایا ہے۔ کوئی مخلوق اسکی قدرت سے خارج نہیں ساری کائنات کے تصرفات بھی اسکی قدرت سے باہر نہیں، اس کی قدرتوں کا اندازہ نہیں لگایا جاتا۔ اور نہ ہی اس کے معلومات کی کوئی انتہا ہے۔

## خدا تعالیٰ کا علم

وہ تمام اشیاء کا عالم ہے، اس کا علم تمام ان چیزوں پر حاوی ہے جو زمین کے کناروں سے لے کر اوپر کے آسمانوں تک جاری ہیں۔ ایسا عالم ہے کہ اس کے علم سے ذرہ بھر بھی زمین و آسمان کی کوئی چیز باہر نہیں۔ بلکہ ٹھوس پتھر پر جب چوٹی سی سخت اندھیری رات میں دے پاؤں چلتی ہے۔ تو اس کی رفتار سے بھی آگاہ ہے۔ اور جو فطرت ہوا میں اڑتے ہیں۔ اُن کی حرکت کو بھی جانتا ہے، وہ راز اور راز سے پوشیدہ تریات کو بھی جانتا ہے۔ دل کے خیالات اور خیالات کی حرکات بھی جانتا ہے اور پوشیدہ سے پوشیدہ بھی جانتا ہے۔ مگر اس کا یہ علم ازلی ہے۔ جو ہمیشہ سے ہمیشہ میں اسکی صفت ہے۔ وہ کسی نو پیدا علم سے نہیں جانتا جو کبھی اس کی ذات میں آئے اور کہیں نکل جائے۔

## خدا تعالیٰ کا ارادہ

وہ مخلوقات میں اپنا ارادہ برتا ہے۔ تمام نو پیدا مخلوق میں انتظام کرتا ہے، جو بھی اسکی بادشاہت میں کم و بیش، خورد و کلاں، دکھ سکھ



نفع و ضرر، ایمان و کفر، خدا شناسی یا انکار، کامیابی یا ناکامی، زیادتی یا نقصان، فرمانبرداری یا بے فرمانی ہوتی ہے۔ اسی کی قضاء و قدر اور حکمت و مشیت سے ہوتی ہے۔ جسے چاہے وہ موجود ہو جائے۔ اور جسے نہ چاہے وہ موجود نہیں ہوتا۔ اس کی مرضی سے آنکھ کی ایک نگاہ بھی باہر نہیں اور دل کا کوئی خیال بھی باہر نہیں۔ بلکہ وہی نوپید کرنے والا اور دوبارہ پیدا کرنے والا ہے۔ جس چیز کا ارادہ کرتا ہے، وہی کرتا ہے، کوئی اس کے حکم کو روکنے والا نہیں نہ ہی اس کے فیصلہ پر کوئی ٹکتے پھین ہے۔ انسان کو کسی برائی سے رکنے میں اس کی توفیق اور رحمت کے بغیر چارہ نہیں اور فرمانبرداری میں اس کے ارادہ اور مشیت کے سوا مجال نہیں اگر تمام انسان، جن، فرشتے اور شیطان بھی جمع ہو کر سلسلہ کائنات میں ایک ذرہ کو بھی حرکت دیں یا اس کے ارادہ کے بغیر اسے ساکن کرنا چاہیں، تو اس سے عاجز ہو جائیں گے، خدا کا ارادہ اس کی اپنی ذات میں باقی صفات کی طرح قائم ہے۔ وہ بدستور اس سے موصوف رہا ہے۔ ومانہ ازل میں اس نے ارادہ کیا کہ سلسلہ مخلوقات اپنے اپنے وقت پر پیدا ہو، جو اس کے تجویز کیا تھا۔ چنانچہ جس طرح اس نے زمانہ ازل میں کسی تقدیم و تاخر کے بغیر چاہا تھا۔ اسی طرح کائنات معرض ظہور میں آگئی۔ بلکہ اس کے علم کے اور اس کے ارادہ کے مطابق بغیر کسی تغیر و تبدل کے موجود ہو گئی نہ اسے کسی تجویز کے سوچنے کی ضرورت پڑی، نہ اسے کسی وصیت کا انتظار تھا یہی وجہ ہے کہ اسے ایک معروفیت دوسری معروفیتوں سے غافل نہیں کرتی۔

## خدا تعالیٰ کی قوت شنوائی اور بینائی

وہ خدا مستجاب اور دیکھتا ہے۔ اس کی شنوائی سے کوئی بات باہر

نہیں۔ اگرچہ وہ کتنی ہی مخفی ہو اور اسکی بینائی سے کوئی چیز خارج نہیں۔ اگرچہ کتنی ہی باریک ہو۔ اسکی قوت سماعت کو کوئی دوسری مانع نہیں۔ اور اسکی قوت بینائی کو کوئی تاریکی نہیں روکتی۔ وہ بغیر آنکھ اور پلک کے دیکھتا ہے۔ اور سو رانگ گوش اور کان کے بغیر سنتا ہے۔ اسی طرح دل کے بغیر جانتا ہے۔ اور ہاتھ کے بغیر محسوس کرتا ہے۔ اور اوزار کے بغیر پیدا کر لیتا ہے۔ کیونکہ اس کے صفات مخلوق کی صفات جیسے نہیں اور نہ ہی اسکی ذات مخلوق کی ذات کی مثل ہے۔

## خدا تعالیٰ کا کلام

وہ کلام کرتا ہے۔ حکم کرتا ہے۔ روکتا ہے۔ خوشخبری دیتا ہے۔ عذاب کی خبر دیتا ہے۔ مگر اس کا کلام ازلی ابدی قدیم ہے۔ جو اسکی ذات میں قائم ہے۔ اور مخلوق کے کلام کی طرح نہیں کہ ہوا کی مداخلت اور حرکت سے پیدا ہو یا دو چیزوں کے ٹکرائے سے پیدا ہو۔ حروف سے مرکب نہیں کہ ہونٹ کی بندش سے ختم ہو جیسے۔ اور زبان کے چلنے سے جاری ہو۔ قرآن، توراہ، انجیل اور زبور اسی کی کتابیں ہیں۔ جو اسکے انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوئیں۔ چنانچہ قرآن اگرچہ زبان سے پڑھا جاتا ہے۔ یا اوراق میں لکھا جاتا ہے۔ اور دلوں میں محفوظ ہے۔ تاہم وہ قدیم ہے۔ خدا کی ذات میں قائم ہے۔ اوراق میں یا دلوں میں منتقل ہونے کے باوجود بھی وہ خدا کی ذات سے الگ اور منتقل نہیں۔ کیوں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو کلام الہی سنا تھا۔ اسمیں آواز نہ تھی۔ اور نہ حروف تھے۔ اسی طرح نیک انسان عالم آخرت میں خدا کا دیدار پائے گا۔ مگر وہ نہ ٹھوس ہو گا نہ عارضی چیز۔ جب خدا ایسا ہے تو ماننا پڑتا ہے کہ وہ اپنے ان صفات میں حتیٰ عالم، قادر، مرید، سمیع، بے سیر اور متکلم ہے۔



اور اس میں یہ سات صفات موجود ہیں۔ حیوۃ، علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر اور کلام۔ اور اس کی ذات اپنی صفات سے خالی نہیں۔ (امام غزالی رحمہ اللہ کا کلام یہاں پر ختم ہو جاتا ہے) اب مولف کہتا ہے۔ (خدا انکے گناہ معاف کرے) کہ امام صاحب نے جو خدا کے سات اوصاف بیان کئے ہیں وہ مؤید اشعری کے مطابق ہیں۔ ورنہ مذہب ماتریدیہ میں ایک آٹھواں اور یہی خدا کا وصف ہے۔ جسے تکوین کہتے ہیں۔ کیونکہ مخلوقات کے پیدا کرنے میں صرف ارادہ ہی کافی نہیں، بلکہ تکوین کی بھی ضرورت ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے خود فرما دیا ہے کہ جب میں کسی چیز کا ارادہ کرتا ہوں، تو اسے کُن کہتا ہوں تو پھر وہ موجود ہو جاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ارادہ اور چیز ہے اور تکوین جو لفظ کُن سے اشارت کی جاتی ہے، اور چیز ہے۔ اس کے علاوہ صرف ارادہ کرنے والا فاعل نہیں کہلاتا۔ سوائے اس کے کہ اس کو ہست سے نیت کر دے۔ پس لفظ کُن سے خدا تعالیٰ کا ارادہ ہے۔ اس کو جس کا وہ ارادہ کرتا ہے، کہ نیت سے ہست کر دے۔ اس مسئلہ کی تفصیل کا مقام علم کلام کی کتاب میں ہے۔ مثلاً شرح عقائد، شرح مواقف وغیرہ۔ اب ہم دوبارہ امام غزالی رحمہ اللہ کا کلام درج کرتے ہیں۔

## افعال خداوندی

جو بھی اللہ کے بغیر ہے۔ وہ اسی کے فعل سے پیدا ہوا ہے۔ اور بہترین عدل کے طریق پر اور مکمل و اکمل طرز پر صورت نما ہوا ہے۔ خدا اپنے افعال میں حکمت استعمال کرتا ہے۔ اپنے فیصلہ میں عدل کرتا ہے۔ مگر اس کا عدل انسانی عدل کے مشابہ نہیں۔ کیونکہ انسان سے تو ظلم کا بھی امکان ہے۔

جبکہ وہ غیر کے ملکیت پر مستحرف ہو اور خدا سے ظلم کا امکان بھی نہیں۔ کیونکہ جب  
 کہ یہاں غیر کی ملکیت ہی نہیں، تو یہ کیسے کہا جائے گا کہ وہ غیر کی ملکیت پر تصرف  
 کرتا ہے۔ تاکہ اس کا عمل ظلم قرار پائے۔ کیونکہ اس نے یہ تمام چیزیں خود پیدا  
 کی ہیں۔ انسان، جن، شیطان، فرشتے، آسمان، زمین، حیوان، نباتات،  
 جوہر، عرصہ، مدرک بالکس اور مدرک بالعقل وغیرہ، چنانچہ اس نے  
 اپنی قدرت کاملہ سے ان کو پیدا کیا ہے۔ اور ان کو وجود عطا کیا ہے۔ بعد  
 اس کے کہ وہ نیست تھیں۔ اور وہ خدا خود زمانہ ازل میں موجود تھا۔ اور اس  
 کے ساتھ کوئی غیر موجود نہ تھا۔ پھر اس نے اپنی اظہار قدرت کے لئے کائنات  
 کو پیدا کیا۔ اور اس سے اپنے ارادہ کا ثبوت دیا۔ جو اس نے پہلے کیا ہوا تھا۔  
 اور اس قول کو پورا کرنے کیلئے جو ازل میں کہہ چکا تھا۔ ورنہ اس کو کائنات کی  
 کوئی حاجت اور ضرورت نہ تھی۔ یہ اس کی مہربانی ہے کہ اسے پیدا کیا۔ نیست  
 بہت کیا اور صاحب اختیار بنایا۔ ورنہ یہ سب کچھ اس پر واجب نہ تھا۔  
 اور وہ ہم پر فضل کرنے والا ہے۔ کہ اس نے ہم پر احسان کیا۔ اور ہمارے  
 اصلاح کی۔ حالانکہ یہ بھی اس کا فرض نہ تھا۔ پس یہ سب کچھ اس کا فضل  
 ہے۔ احسان اور نعمت اور انعام ہے۔ کیونکہ وہ ہر وقت قادر ہے کہ اپنے  
 بندوں پر قسم قسم کے عذاب ڈالے اور رنگ رنگ کے مصائب میں گرفتار  
 کرے۔ اگر یہی کرے تو پھر بھی اس کا عدل ہی ہوگا۔ اور اس کے لئے کوئی معیوہ  
 کام نہ تھا۔ اور نہ ہوگا۔ خدا اپنے حسب وعدہ اور فضل و کرم سے بندوں  
 کو اپنی اطاعت قبول کرنے پر ثواب دیتا ہے۔ ورنہ بندوں کا کوئی اس  
 کے لئے نہیں۔ اور نہ ہی ان کا کوئی فرض اس پر قائم ہوتا ہے۔ کیونکہ اس پر  
 کوئی فعل بھی واجب نہیں ہو سکتا۔ اور نہ اس سے ظلم متصور ہو سکتا ہے۔



اور کسی کا حق اس کے ذمہ پروا جب نہیں۔ مگر مخلوق پر اس کا حق اطاعت واجب ہے۔ جو اس نے اپنے انبیاء کے ذریعہ سے بیان کیا ہے۔ اور وہ حق اطاعت صرف عقل سے دریافت نہیں ہوتا تھا۔ اسلئے اس نے اپنے رسول بھیجے اور حکم کلام مجرات سے ان کا صداقت کا اظہار فرمایا۔ تو پھر انہوں نے خدا کا امر نہی، وعدہ اور وعید کی خبر دی۔ اس لئے مخلوق پر واجب ہو گیا کہ جو کچھ بھی وہ کہتے ہیں، اس کی تصدیق کریں۔

---

## ۴۔ منصب رسالت

خدا ہی نے اپنا نبی امی قرشی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام کائنات کی طرف رسول بنا کر مبعوث کیا ہے۔ خواہ عرب ہوں یا عجم یا جنتا ہوں یا انسان، سوائے چند اصولی احکام کے، تمام شرائع سابقہ کے احکام کو منسوخ کر دیا۔ اور تمام انبیاء علیہم السلام پر آپ کو فضیلت بخشی۔ آپ کو سید البشر بنایا۔ اور جب تک محمد رسول اللہ کا اقرار نہ ہو، اقرار توحید یعنی لا الہ الا اللہ مانگنے سے روک دیا۔ اور مخلوق پر آپ کی تعین فرم کر دی۔ ان احکام کے متعلق جو آپ نے دنیا و آخرت کی بابت بیان کئے ہیں۔ اور یہی فرم کیا۔ کہ کسی کا ایمان معتبر نہیں۔ جب تک وہ باتیں نہ مانے۔ جنکی خبر آپ نے انسان کی موت کے بعد دی ہیں۔

جن میں سے اول منکر نکیر کا سوال ہے۔ یہ دو فرشتے باہمیت خوفناک ہیں۔ جو مردہ کو قبر میں سیدھا بٹھا دیتے ہیں۔ جس میں روح اور جسم دونوں ہوتے ہیں۔ پھر توحید اور سات نبوی کا سوال کرتے ہیں۔ کہ تیرا رب کون ہے۔ تیرا دین کیا ہے۔ اور تیرا نبی کون ہے؟ اور یہ دو فرشتے قبر کا امتحان ہیں۔ کیونکہ موت کے بعد قبر میں پہلا امتحان ان کے سوالات ہیں۔ اور یہ بھی ضروری ہے کہ مومن عذاب قبر کو تسلیم کرے۔ کہ وہ حق ہے اور حکمت اور عدل ہے جسم اور روح پر جس طرح کہ خدا چاہے۔

یہ بھی مانے کہ میزان عمل کے دو پلڑے ہیں۔ اور ایک قبضہ کی رستی ہے۔ اس کی بڑائی کا بیان یوں ہے۔ کہ وہ زمین و آسمان کی وسعت کے برابر بڑی



ہے۔ اس میں قدرتِ الہیہ سے اعمال تو لے جائیں گے۔ اور اس کے بچے جیونٹی اور راتی کے دلنے کے برابر بھی ہونگے۔ تاکہ پورا پورا انصاف ہو۔ پھر اس کے نورانی پتہ میں نیک اعمال کے صحیفے ڈالے جائیں گے۔ جن سے وہ ترازو بوجھل معلوم ہوگا۔ ان کے نیک اعمال کے درجہ کے مطابق خدا کے فضل و کرم سے۔ پھر دوسرے تاریک پلڑے میں بد اعمالیوں کے صحیفے ڈالے جائیں گے تو وہ خدا کے عدل و انصاف سے ہلکا ہو جائے گا۔

مومن یہ بھی مانے، کہ پل صراطِ حق ہے اور جہنم کی پشت پر یہ ایک لمبا پل بچھایا جائے گا۔ جو تلوار سے تیز ہوگا۔ اور بال سے باریک، اس سے کفار کے قدم پھسل جائیں گے۔ اور خدا کے حکم سے جہنم رسید ہوں گے۔ مومنین کے قدم اس پر ٹپک جائیں گے، کو جنت کو لے جائے جائیں گے۔

یہ بھی مانے، کہ عرضِ کوثر حق ہے۔ جس پر لوگ اٹھیں گے۔ اور حضور علیہ السلام کے عرضِ محمدی سے دخولِ جنت سے پہلے مومنین پانی پئیں گے اور پل صراط سے گزر کر بھی اس کا پانی پئیں گے۔ اور جو شخص لکا ایک گھونٹ بھی پی لے گا۔ کبھی پیاسا نہ ہوگا۔ اس کی وسعت آسمان کے برابر ہے۔ اس میں دو نالیاں عرضِ کوثر سے نکل کر گھلتی ہیں۔

مومن یہ بھی مانے، کہ حساب کا دن حق ہے، جس میں مخلوقات مختلف طریق پر مبتلا ہوگی۔ کسی سے خوب بانہ پُرس ہوگی۔ اور کسی سے چشم پوشی کی جائے گی۔ اور کئی ایک بغیر حساب کے بھی داخلِ جنت ہوں گے۔ اور یہ لوگ خدا کے مقرب ہوں گے۔ خدا کا منشا ہوگا۔ تو انبیاء علیہم السلام سے بھی سوال ہوں گے کہ تبلیغ کیسے کی؟ جی چاہے گا۔ تو کھار اور مکھن سے بھی سوال ہوں گے کہ تم نے رسول کی تکذیب کیوں کی؟ بدعتی اور مخالف سنت

سے سوال ہوگا۔ کہ تم نے سنت طریق کو کیوں چھوڑا اور اہل اسلام سے اعمال کے متعلق سوال ہوگا۔

اور مومن یہ بھی مانے، کہ اہل توحید جہنم سے بدلہ پا کر آخر نجات پائیں گے۔ یہاں تک کہ خدا کے فضل و کرم سے وہاں کوئی اہل توحید نہ رہے گا۔

یہ بھی مانے، کہ انبیاء علیہم السلام شفاعت کریں گے۔ ان کے بعد اہل علم پھر شہادت یافتہ اور سب کے اخیر باقی اہل اسلام اپنی اپنی قدر منزلت کے مطابق شفاعت کریں گے اور جو مومن جہنم میں بغیر شفاعت کے پڑا رہے گا۔ اور اس کا کوئی شفیع نہ ہوگا۔ تو خدا کے اپنے فضل سے جہنم سے نکالا جائے گا۔ اور دوزخ میں کوئی اہل ایمان باقی نہ رہے گا۔ بلکہ جس کے دل میں ذرہ بھر بھی ایمان ہوگا۔ وہ بھی جہنم سے نکال دیا جائے گا۔

یہ بھی مانے، کہ صحابہؓ کی فضیلت برحق ہے۔ اور ان میں ترتیب وار فضیلت دی ہے۔ کہ حضور علیہ السلام کے بعد افضل الناس حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں۔ پھر حضرت فاروقؓ پھر حضرت عثمان غنیؓ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہم۔ یہ بھی عزوری ہے کہ مومن صحابہؓ کے متعلق حسن ظن رکھے اور جس طرح اللہ تعالیٰ اور حضور علیہ السلام نے ان کی تعریف و توصیف کی ہے۔ یہ بھی ان کی تعریف کرے۔

ان تمام عقائد کے متعلق شاہد احادیث نبویؐ وار ہیں۔ اور اقوال صحابہؓ مشاہدہ ہیں۔ جو شخص ان تمام عقائد کو تسلیم کرے۔ وہ اہل حق اور اہل سنت ہوگا۔ اور اہل بدعت اور گمراہ فرقوں سے الگ سمجھا جائے گا۔ ہم سب کا فرض ہے کہ خدا تعالیٰ سے کمال یقین اور اسلامی استقلال کی درخواست کریں۔



اپنے لئے اور تمام مسلمانوں کے لئے کیونکہ وہی ارحم الراحمین ہے۔ وصلى الله على  
سيدنا محمد وآله واصحابه اجمعين۔ یہاں تک جو ہمیں امام صاحب  
کی کتاب قواعد العقائد سے نقل کرنا تھا۔ نقل کر دیا ہے۔

---

## ۵۔ اُمتِ محمدیہ کا ۳۷ فرقے بننا

اب مؤلف رسالہ ہذا (عفی عنہ) اپنا مضمون شروع کرتا ہے کہ  
 بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ و بے دستِ تعین یا اللہ ہمیں جو حق بات ہے  
 وہ سچ و کھادے اور باطل کو واقعی طور پر باطل دکھا اور ہمیں اس سے کنارہ  
 کشی نصیب کر۔ اس کے بعد واضح ہو کر آج اس اُمتِ محمدیہ میں عقائد کا اختلاف  
 بہت ہے۔ اور ان کی رائیں مختلف ہیں۔ اور انہیں باہمی نفرت پیدا ہو چکی  
 ہے۔ اور بغض پیدا ہو گیا ہے۔ ہر ایک فرقہ کلامی دعویٰ ہے کہ میں حق پر ہوں  
 اور دوسرے باطل پر ہیں۔ کیوں ایسا نہ ہو جب کہ حضور علیہ السلام نے ہمیں پہلے ہی  
 خبر دی ہوئی ہے اور فرمایا ہے کہ میری اُمت ۷۴ فرقے پر تقسیم ہو جائے گی۔۔۔ اور یہ  
 حدیث پورے سوال و جواب کے ساتھ میں نے اپنی کتاب فارسی الاصول  
 الاربعۃ فی تردید الوہابیۃ کے اخیر نقل کر دی ہوئی ہے۔ مگر تاہم تکمیل  
 فائدہ کیلئے اسے یہاں بھی نقل کرتا ہوں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے  
 روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری اُمت پر  
 وہ انقلاب آئے گا۔ جو بنی اسرائیل پر آیا تھا۔ جو بھڑو یہاں تک کہ اگر ان  
 میں سے کسی نے اپنی ماں سے بدھلی کی ہوگی، تو میری اُمت میں بھی ایسے لوگ  
 ہوں گے، جو ایسا کر گویں گے۔ اُمت بنی اسرائیل ۷۲ فرقوں پر منقسم ہو  
 گئی تھی۔ اور میری اُمت ۷۲ ملت پر تقسیم ہوگی۔ اور وہ سارے کھارے جہنم  
 میں جائیں گے۔ مگر ایک فرقہ سچ رہے گا۔ حاضرین نے پوچھا کہ یا رسول صلعم  
 وہ کون سا فرقہ ہوگا؟ تو آپ نے فرمایا کہ یہ وہ ہے جو ان اصولوں پر قائم ہوگا،



کہ میں پر نہیں اور میرے صحابہ قائم ہیں۔ (رواہ الترمذی) امام احمد اور ابو داؤد حضرت معاویہ سے روایت کرتے ہیں کہ ۷۲ فرقے دوزخ میں جائیں گے۔ اور ایک فرقہ جنت میں داخل ہو گا اور اس فرقہ کا نام جماعہ ہے۔ میری اُمت میں ایسی قومیں بھی پیدا ہوں گی کہ جن کو یہودی یا عیسائی اس طرح اڑائیں گے جس طرح کہ دیوانہ گتے کی زبردستی کرتی ہے۔ بادل گتے کے گٹے ہوئے کا کوئی رنگ و ریشتہ نہیں ہوتا کہ جس میں اسکی زبردستی نہ ہو۔

اب اگر یہ سوال کیا جائے کہ جو دوزخی ۷۲ فرقے حدیث میں مذکور ہیں وہ کوئی نیا اسلام پیش کریں گے یا اسی اسلام کے دعویدار ہوں گے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ سب اسلام کے دعویدار ہوں گے۔ کیونکہ حضور علیہ السلام نے ان کو اُمت کے لفظ سے بار بار ذکر کیا ہے مگر جو لوگ نیا مذہب پیش کریں گے یہ وہ ہوں گے جو خدا اور رسول کو نہیں مانیں گے اس لئے وہ اُمت محمدیہ میں داخل نہیں۔ (پہلی قسم کا نام اہل اجابت ہے اور دوسری کا نام اہل دعوت) اس مقام پر ایک اور مشکل سوال پیدا ہوتا ہے کہ ۷۲ فرقوں میں سے ہر ایک فرقہ کا یہی دعویٰ ہے کہ ہم نجات پانے والی (فرقہ ناجیہ) جماعت ہیں۔ اور ہم ہی ما انا علیہ واصحابی کی صیح مثال ہیں۔ کیا کوئی یہ عقیدہ ایمان داری سے حل کر سکتا ہے؟ اس لئے اس کے جواب میں اہل سنت و الجماعت بے چین ہوئے اور بارگاہِ الہی میں گڑبڑ ہوئی تو انکو قرآن مجید کی یہ آیت نظر آئی، فَلَا وَزِيكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكُمْ فِی شَأْنِکُمْ (سورۃ النساء - رکوع ۹۰ - پارہ ۵) کہ جتنا وہ لوگ مومن شمار نہ ہوں گے یہاں تک کہ وہ اپنے باہمی تنازعات میں آپ کو جج نہ مانیں گے۔ اس لئے ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس لاجعل سوال میں اپنا جج مان

دیا اور فیصلہ ہو گیا۔

کیونکہ حدیث مذکور میں حضور علیہ السلام کا یہ لفظ مبارک موجود ہے کہ وہ فرقہ ناجیہ جماعت ہے اور یہ سب کو معلوم ہے کہ جماعت کا لفظ فرقہ اہل سنت والجماعت کے نام کا اصلی جزو ہے۔ جیسا کہ امام احمد اور ابو داؤد کی روایت میں ہے۔ اور جماعت سے مراد ہمیشہ کثرت افراد ہوا کرتے ہیں اور کثرت افراد اہل سنت والجماعت ہی ہیں جو مذاہب اربعہ کے مشرق و مغرب میں مقلد ہیں۔ اور یہ کثرت گمراہ فرقوں کے مقابلہ پر ایسی روشن ہے جس کو کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔

(سوال دیگر) ایک گمراہ فرقہ کا قول ہے کہ حدیث میں جماعت کا لفظ آیا ہے اور اسی سے مراد اہل حق ہیں۔ اگرچہ ان کے افراد کی قلت ہو۔ ہم جواباً کہتے ہیں کہ یہ مطلب صحیح نہیں کیونکہ وہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور حدیث میں جے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے فرمایا ہے کہ خدا تعالیٰ میری امت کو یا بالقایہ دیگر امت محمدیہ کو گمراہی پر متفق نہیں کرے گا۔ اور جماعت پر خدا کا ہاتھ ہوتا ہے۔ جو شخص جماعت سے الگ ہوگا، وہ دوزخ میں پھینکا جائے گا۔ (رواہ الترمذی) ابو بکر سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ میں نے خدا سے یہ درخواست کی تھی کہ میری امت گمراہی پر متفق نہ ہو تو خدا نے مجھے یہ عطیہ بخش دیا (رواہ طبرانی) اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص جماعت سے الگ ہو کر مر جائے تو بے دین کی موت مرے گا۔ (رواہ البخاری)

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اگرچہ حدیث میں لفظ جماعت یا لفظ



اجتماع مذکور ہے۔ لیکن احادیث میں یہ تصریح موجود نہیں کہ اس سے مراد کثرت افراد ہیں گو ہم اس کے جواب میں یوں کہیں گے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم کثیر التعداد جماعت کی تابعداری کرو، ورنہ جو الگ ہو گا، داخل جہنم ہو گا۔ (رواہ ابن ماجہ) اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ شیطان انسان کے لئے بھیڑیاب ہے۔ جس طرح کہ بھیڑ بکری کے لئے بھیڑیاب ہوتا ہے اور وہ اس بھیڑ بکری کو پکڑ لیتا ہے جو ریوڑ سے الگ چرتی ہے یا کنارہ کرتی ہے۔ تم ایسی کنارہ کشیوں سے پرہیز رکھو اور عام اہل اسلام اور جماعت کا دامن تمام رکھو (رواہ احمد) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم نے فرمایا ہے کہ جو جماعت سے ایک بالشت بھر بھی الگ ہو گا، یوں سمجھو کہ اس نے اسلام کا جو آ اپنی گردن سے اتار دیا (رواہ احمد والبوداؤد) یہ حدیث مشکوٰۃ شریف میں بھی ہے۔ بہر حال السواد الاعظم یا العامة لفظ کثرت افراد کی تصریح کرتا ہے۔ اور اہل سنت والجماعت کے افراد کی کثرت تمام گمراہ فرقوں کے مقابلہ پر بالکل واضح اور صاف ہے۔ اور ہر ایک کو معلوم ہے اس لئے ثابت ہوا کہ اس مقام پر فرقہ ناجیہ سے مراد اہل سنت والجماعت ہی ہے جو مشہور مذاہب اربعہ کے متعلق ہیں۔ (الحمد للہ علی ذلک)

## ۶. قرآن مجید میں حقیقت و مجاز کا بیان

ان معلومات کے بعد واضح ہے کہ عرب و عجم کی تمام زبانوں میں حقیقت و مجاز کا استعمال موجود ہے۔ خواہ وہ ایچی ہوں یا بُری۔ یہاں تک کہ خود کلام الہی میں بھی یہ دونوں موجود ہیں۔ پناغیم چہر آیات بطور نمونہ پیش کرتے ہیں۔ اِذْ لَمَّا يَتَوَفَّى الْاَنفُسُ حَيْثُ مَوْتُهَا (پارہ ۲۴ - سورہ الزمر - رکوع ۵) یہ کہ خدا موت کے وقت روح کو اپنے قبضہ میں کر لیتا ہے۔ پھر فرمایا قُلْ يَتَوَفَّكُم مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِي وُكِّلَ بِكُمْ (پارہ ۲۱ - سورہ السجدہ - رکوع ۱) کہ ملک الموت تمہیں وفات دیتا ہے جو تم پر مسلط کر دیا گیا ہے، پس توئی کا تعلق خدا سے حقیقی ہے۔ اور فرشتے سے مجازی۔ دوم: يَهَبُ لِمَن يَشَاءُ اِنَاثًا وَيَهَبُ لِمَن يَشَاءُ الذَّكَوٰى (پارہ ۲۵ - سورہ شوریٰ - رکوع ۵) خدا ہے چاہتا ہے لڑکیاں بخشے اور جسے چاہتا ہے لڑکے بخشے۔ پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام کا قول یوں منقول ہے۔ قَالَ اِنَّمَا اَنَا رَسُوْلٌ نَّبِيٌّ لَا هَبْ لَكَ عَالَمًا ذِكِيًا (پارہ ۱۶ - سورہ مریم - رکوع ۲) کہ آپ نے حضرت مریم علیہا السلام کو یوں کہا تھا کہ میں اس کے تیرے پاس آیا ہوں کہ تمہیں مقدس لڑکا دوں۔ خدا کا ہبہ حقیقی ہے، اور جبرائیل کا مجازی۔ سوم: قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ (پارہ ۲۴ - سورہ الزمر - رکوع ۶) اے میرے بندو! جنہوں نے بے اعتدالی کی ہے۔ رحمت الہی سے ناامید نہ ہو جاؤ اور شیطان سے یوں کہنا کہ: اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ (پارہ ۱۴ - سورہ جمہ - رکوع ۲) یعنی میرے بندوں پر تیرا تسلط نہ ہو گا۔



يَوْمَ يُرْفَعُ يَدَاكُمْ، وَأُكْحَرُ الْأَيَّامُ مِنْكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ بَنَادِكُمْ  
وَأَقَاتِكُمْ ( پارہ ۱۸ - سورۃ لؤد - رکوع ۴ )

تم اپنے ہندوں اور گیزروں کے نکاح کرو یا کرو ( پس پہلی دو آیتوں  
میں عبد کا تعلق خدا سے حقیقی ہے اور تیسری آیت میں لوگوں سے تعلق مجازی  
ہے - چارم، نَجْمِي وَيُحْيِي ( پارہ ۲۷ - سورۃ الحديد - رکوع ۱ )

خدا ہی موت و حیات دیتا ہے - اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول یوں  
نقل کیا ہے کہ، وَأُحْيِي الْمَوْتَى بِإِذْنِ اللَّهِ ( پارہ ۳ - سورۃ ال عمران  
رکوع ۵ ) میں بفضلِ خدا مردے زندہ کرتا ہوں، تو زندگی دینے کا تعلق خدا  
سے حقیقی ہے اور حضرت عیسیٰؑ کے مجازی - نَجْم، وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ  
يُشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ( پارہ ۲ - سورۃ بقرہ - رکوع ۲۶ )  
خدا جسے چاہے راہِ راست دکھاتا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ  
وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ( پارہ ۲۵ - سورۃ شوری  
رکوع ۵ ) آپ راہِ راست دکھاتے ہیں، مگر الہی ہدایت حقیقی ہے اور  
نبویؐ مجازی ہے - ششم، يَذَرُ الْأُمُورَ ( پارہ ۱۱ - سورۃ یونس  
رکوع ۱ ) خدا کائنات کی تدبیر کرتا ہے - پھر فرمایا کہ، فَالْمَدَقَاتِ  
أُمُورًا ( پارہ ۳۰ - سورۃ النازعات - رکوع ۱ ) قسم ہے انہی جو تدبیر کرتے  
وہے ہیں - پہلی آیت میں حقیقت ہے اور دوسری میں مجاز -  
ہفتم، قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا  
اللَّهُ ( پارہ ۲۰ - - - - - رکوع ۵ ) کہو! جو لوگ یا فرشتے،  
آسمان و زمین میں ہیں انہیں سے کوئی بھی غیب نہیں جانتا، لیکن اللہ غیب  
جانتا ہے - اور حضرت عیسیٰؑ کا حال یوں بتایا کہ آپ کہتے تھے کہ

وَأَمَّا تَأَلُّونَ وَمَا تَدْعُونَ فِي مَبُوتِكُمْ

(پارہ ۲ - سورۃ آل عمران - رکوع ۵) میں تم کو سب کچھ بتا دوں گا

جو تم کھاتے ہو یا جمع رکھتے ہو اپنے گھروں میں، پھر حضرت یوسفؑ کے متعلق فرمایا کہ آپ دو قیدیوں سے یوں کہتے تھے کہ قَالَ لَا يَأْتِيَنَّكُمَا طَعَامٌ مِّنْ ذِي الْقَبْرِ

إِلَّا أَنْبَأْتُكُمَا فِيهِ (پارہ ۱۲ - سورۃ یوسف - رکوع ۵)

نہیں آئے گی، تمہاری خوراک جو تمہیں دی جاتی ہے۔ مگر میں اس کے آنے

سے پہلے ہی تمہارے خوابوں کی تعبیر کر دوں گا۔) پہلی آیت میں حقیقت دوسری

دو آیتوں میں عجاز ہے۔ ہشتم: حضرت ابراہیمؑ کا قول یوں نقل کیا ہے کہ آپ

کہتے ہیں کہ، وَإِذَا مَرَضْتُ فَمَهْوٍ يُشْفِينُ (پارہ ۱۹ - سورۃ

شعرا - رکوع ۵) جب میں بیمار ہوتا ہوں تو خدا ہی مجھے شفا دیتا ہے اور

عیسیٰ علیہ السلام کہتے ہیں کہ وَأُتِي عِذَاءُكَ وَلَا بُرْهَنَ وَأُحْيِي الْمَوْتَى

بِإِذْنِ اللَّهِ (پارہ ۳ - سورۃ آل عمران - رکوع ۵) میں ماورِزا و

اندھوں اور کورہ بیوں کو شفا دیتا ہوں۔ اور خدا کے فضل سے مرنے

بھی زندہ کر لیتا ہوں۔ پس پہلی آیت میں حقیقت ہے۔ دوسری میں عجازِ نہم فرمایا کہ،

وَهُوَ الْخَلْقُ الْعَلِيمُ (پارہ ۲۲ - سورۃ یٰسین - رکوع ۵) خدا ہی پیدا

کرنے والا اور خوب جانتے والا ہے۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول بیان کیا

أَنِّي أَخْلُقُ لَكُمْ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَأَنْفُخُ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْرًا

بِإِذْنِ اللَّهِ (پارہ ۳ - سورۃ آل عمران - رکوع ۵) میں میں سے

پرندوں کی وضع و شکل بناتا ہوں اور اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ خدا کے

فضل سے پرندے بن جاتے ہیں) یہاں بھی پہلے حقیقت ہے پھر عجاز۔ دہم:

فَمَا يَكُ، إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ (پارہ ۲۴ -



سورۃ ذاریات - ( رکوع ۳ ) وہی خدا ہر ایک کا رازق ہے۔ اور زبردست طاقت کا مالک ہے۔ پھر فرمایا کہ، **وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُو الْقُرْبَىٰ ذَا لِيَتَلَىٰ وَالْمُتَلَكِّينَ فَإِنَّهُ يَوْمُهُمْ لَمِنْهُمْ** ( پارہ ۴ - سورۃ نساء رکوع ۱ ) جب میراث تقسیم کرنے کے وقت رشتہ دار یتیم اور مسکین حاضر ہوں تو اس میں سے ان کو رزق دو ( یہاں بھی پہلے حقیقت ہے اور پھر مجاز ہے بلکہ دہم فرمایا کہ، **إِنَّ اللَّهَ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ** ( پارہ ۲۴ - سورۃ مؤمن رکوع ۲ ) خدا ہی سميع و بصیر ہے۔ پھر فرمایا کہ، **إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ أَمْشَاجٍ نَبْتَلِيهِ فَعَبْلُهُ سَمِيعًا بَصِيرًا** ( پارہ ۲۹ سورۃ دھر - رکوع ۱ ) ہم نے انسان کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا، تاکہ اس کو دنیا کے ابتلاء میں ڈالیں اس لیے اسے سميع و بصیر بنا دیا ( پہلا سميع و بصیر حقیقت ہے دوسرا مجاز۔ الغرض اس قسم کی آیات قرائید اور احادیث نبویہ بہت ہیں پس جب حقیقت و مجاز کا استعمال قرآن مجید میں موجود ہے تو اگر اسے خدا کے بندے استعمال کر لیں اپنے محاورات میں تو کون سی قباحت ہوگی۔ بہر حال اس اصول پر کئی ایک مسائل کی بنیاد قائم ہے۔ جو مذاہب اربعہ کے مقلدین اور واپسوں کے درمیان زیر بحث اور استدلالی جنگ کا میدان بنے ہوئے ہیں۔ اسی طرح ان لوگوں کے درمیان جو ان کے طریق پر چلتے ہیں۔

## ۱۔ علم غیب

(نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب کا  
حاصل ہونا)

چنانچہ ان میں سے ایک علم غیب کا مسئلہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خاصانِ اُمت محمدیہ کو حاصل تھا یا نہیں؟  
پس جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کھائے اور گھروں کے ذخیروں کی خبر غیب دیتے ہیں تو یہ امر کیوں جائز نہ ہو گا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اُمت محمدیہ کے خاص خاص مقرب بندے بھی غیب کی چند خبریں دیں، یا دنیا کے مستقبل کے حالات اور برزخ کے حالات بتائیں۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ وہ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھا۔ تو ہم کہتے ہیں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی غیب دانی کیوں معجزہ نہیں ہو سکتی۔ اور خواص اُمت کے لئے کرامت کیوں نہیں ہو سکتی۔ اگر یہ سوال ہو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تو خود خدا بتا دیتا تھا۔ تو ہم کہیں گے کہ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی تو خدا بتا دیتا تھا۔  
اب واضح رہے کہ مسئلہ علم غیب ایک عظیم الشان زیر بحث مسئلہ ہے جس پر علمائے وقت جھگڑتے رہتے ہیں۔ اور فریقین، فراط و تفریط میں پڑ گئے ہیں۔ جس کی وجہ سے ان کے درمیان سخت اختلاف رونما ہو چکا ہے۔ یہاں تک کہ وہ ایک دوسرے کو کافر بھی کہہ چکے ہیں۔

میں نے ایک فریق نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے علم غیب ٹکلی



اور غیب جزئی اور غیب ماضی و مستقبل قبل ثابت کیا ہے کہ خدا تعالیٰ نے آپ کو ان سب چیزوں کا علم دیا تھا۔

ایک فرقہ نے سرے سے علم کلی ہی کی نفی کر دی ہے کہ وہ مھنور علیہ السلام کو حاصل نہ تھا۔ کیوں کہ علم غیب کلی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہوتا۔ اور غیب جزئی تو کوئی بڑی بات نہیں۔ کیونکہ وہ جس طرح رسول کو حاصل ہے، اس طرح دیوانوں اور چارپایوں کو بھی حاصل ہے۔ (خدا الیہ عمید سے بچائے) یہ ایسا عقیدہ ہے کہ جس میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کا اظہار ہوتا ہے اور کشاں کشاں بُرے خاتمہ تک پہنچانے والا ہے۔

ایک فرقہ نے وہ تمام علوم غیبیہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ثابت کئے ہیں۔ جو رسالت اور نبوت سے تعلق رکھتے ہیں۔ یا گزشتہ امتوں اور احوال برزخ یا قیامت کے ثبوت ناگ حالات سے تعلق رکھتے ہیں۔ یا جنت کی نعمتوں اور دوزخ کے عذاب کے متعلق ہیں۔ اس کے علاوہ علم غیب بھی جو عالم بالا اور دنیا سے تعلق رکھتے ہیں۔ جو خدا تعالیٰ نے آپ کو بتا دیے ہیں۔ اور یہ عقیدہ افراط و تفریط کے درمیان سے ہے، اور تقویٰ کے قریب ہے۔

کاش ہمیں معلوم ہو جاتا کہ جو لوگ تمام قسم کے علوم غیبیہ کلی جزئی ماضی حال اور مستقبل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ثابت کرتے ہیں وہ ان علوم کے متعلق کیا جواب دیں گے جو شرع میں ممنوع قرار دیئے گئے ہیں۔ مثلاً نجوم، جفر، شعبہ بازی، کہانت، موسیقی، سحر، رمل، یونانی فلسفہ برہانیات کے متعلق ہے۔ (کیا یہ بھی آپ کو حاصل تھے؟) اور وہ اس کا بھی کیا جواب دیں گے۔ کہ خود خدا نے تعالیٰ نے تصریح کے ساتھ فرمایا

ہے کہ، وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ ۖ (پارہ ۲۳ - سورۃ یس -

رکوع ۵) ہم نے اپنے رسول کو شعر کا علم نہیں سکھایا اور نہ ہی یہ علم آپ کے شان کے شایان ہے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ، وَلَا يَقُولُ كَاهِنٌ ۖ (پارہ

۲۹ - سورۃ الحاقۃ - رکوع ۲) آپ جادوگر نہ تھے اور یہ قرآن کسی کاهن کا قول

نہیں۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ علوم از قسم غیب نہیں بلکہ از قسم ظاہر

ہیں تو ہم جواب میں پوچھیں گے کہ اگر وہ غیب میں داخل نہیں تو کیا وہ ماکان

و مایکون میں بھی داخل ہیں یا نہیں؟ تو اگر جواب دیا جائے کہ ہاں وہ انہیں

داخل ہیں تو ہم کہیں گے کہ اگرچہ وہ داخل ہوں مگر خدا تعالیٰ نے ذاتِ سات

کو ان علوم کی آلائش سے صاف کر دیا ہوا ہے کیونکہ آپ رسول اُمّی تھے۔ کفار

جادو کا الزام دیتے تھے۔ مگر خدا نے کہا کہ وہ جادوگر نہیں۔ پھر وہ کہتے کہ الزام

دیتے تھے کہ جن بھوت کے ذریعہ آپ خبریں دیتے ہیں۔ لیکن خدا نے کہا

کہ، وَلَا يَقُولُ كَاهِنٌ ۖ (پارہ ۲۹ - سورۃ الحاقۃ - رکوع ۲)

”یہ قرآن کسی کاهن کا قول بھی نہیں“ پھر وہ کہتے تھے کہ کوئی اور آدمی آپ کو یہ قرآن

سکھانے پر خدا نے جواب میں کہا کہ، لَئِنْ الْذَّيْ يُلْحِدُوا إِلَيْهِ أَفْجَمِي

وَهَذَا الْبَشَرُ عَرَبِيٌّ ثَبِيثٌ ۝ (پارہ ۱۴ - سورۃ غل - رکوع ۱۲) ”جس آدمی کی طرف تعلیم

قرآن کو وہ منسوب کرتے ہیں وہ تو عجمی ہے عربی زبان جانتا ہی نہیں اور یہ قرآن فصیح عربی میں ہے۔“

اگر یوں کہا جائے کہ نہیں یعنی ماکان اور مایکون میں۔ یہ علوم ممنوعہ داخل نہیں تو

ہم پوچھیں گے کہ پھر یہ علوم ممنوعہ کس قسم میں داخل ہوں گے۔

اور مگر یہ علم غیب ان احادیث کا کیا جواب دیں گے۔ جنہیں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عذابِ قبر، سوالِ ملائکہ، قبر کی تنگی کی خبر

دی ہے یا جنہیں آپ نے قبل از وقوع فتوحاتِ اسلامیہ کی خبر دی ہے۔ یا اخیر



زمانہ کی خبریں دی ہیں۔ حالانکہ سب کچھ اسی طرح پیش آیا ہے۔ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا تھا اور اس کا کیا جواب ہو گا جو آپ نے قتل کفار کے مقامات قتل جنگ بدر میں بتائے تھے۔ چنانچہ وہیں وہ قتل ہوئے جہاں آپ نے کہا تھا۔ کیا چارپائے اور دیوانے بھی ایسی خبریں دے سکتے ہیں؟ میں نے خود اُس آدمی سے سنا ہے جس کے دل کو خدا نے اندھا کر دیا تھا کہتا تھا اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلمان کی فتنے مہاتے ہوتے اور بدر میں قتل کفار کی خاص خاص جگہیں جانتے ہوتے تو مسلمانوں کی فتنے کے لئے اور قتل کفار کے واسطے مسجدہ میں پڑ کر دعا نہ کرتے۔ میں کہتا ہوں کہ اس محروم العقل کو یہ معلوم نہیں کہ حضور علیہ السلام کی دعا کرنا مسلمانوں کے حق میں خدا کے سامنے تواضع اور اطہارِ خاکسایا تھی۔ کیا آپ کو یہ معلوم نہ تھا کہ آپ صراطِ مستقیم پر قائم ہیں۔ حالانکہ خدا نے بتایا ہوا تھا کہ: **إِنَّكَ عَلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ** (پارہ ۲۵۔ سورۃ ذھرف رکوع ۴) آپ صراطِ مستقیم پر ہیں۔ تاہم آپ نماز میں یہ الفاظ دہرایا کرتے تھے کہ: **أَهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ** اللہ تعالیٰ ہمارا شاہد ہے کہ:

**عِلْمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا ۝ إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِنْ رَسُولٍ ۝ فَإِنَّهُ يَتْلِيهِمْ سِرَّاتِ الْغَيْبِ** (پارہ ۲۹۔ سورۃ جن۔ رکوع ۲) تمہارا خدا عالم الغیب ہے اور اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا مگر اس رسول کو جسے وہ پسند کرے پھر یہ بھی فرمایا کہ: **وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِي مِنْ رُسُلِهِ مَنْ يَشَاءُ فَأَمَتُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ** (پارہ ۴۔ سورۃ آل عمران۔ رکوع ۱۸) خدا تعالیٰ تو تم کو علم غیب پر مطلع کرنے کے قریب بھی نہیں ہے لیکن اپنے رسولوں میں سے جس رسول کو چاہے انتخاب کر لیتا ہے۔ تو کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہرگز یہ اور منتخب شدہ رسول نہ

تھے؟ اگر یوں کہا جائے کہ ہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلی آیت کے استثناء میں داخل ہیں۔ کیونکہ آپ پر گزیدہ اور پسندیدہ رسول ہیں جس کا ثبوت اس آیت میں ہے کہ لیکن اپنے رسولوں میں سے اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے انتخاب کر لیتا ہے۔ کیونکہ آپ ہی رسول مجتبیٰ ہیں۔ اگر اس کا انکار کیا جائے تو پھر ہم یہ چھیں گے کہ پھر حضور علیہ السلام کے حوالہ دو ان آیات میں کس رسول مجتبیٰ و مرتضیٰ کا ذکر ہے؟ اس مقام پر تحقیق یہ ہے کہ عالم الغیب کے فقرہ کا استعمال نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صحیح ہے۔ باعتبار بعض علم غیب کے (جو منصب رسالت سے وابستہ ہے) اور بعض علم غیب کے (جو منصب رسالت کے دائرہ سے خارج ہے) اعتبار سے صحیح نہیں۔

کیونکہ بعض مغیبات کا خبر دینا آپ سے بالکل صحیح اور روشن ہے۔ مثلاً آپ کا عالم برزخ کے متعلق قبر کی تنگی اور منکر و نیکر کے سوالوں کی خبر دینا اور نیک بندے کی قبر کا بزرگ و وسیع ہونے اور بدکار پر تنگ ہونے کی خبر دینا یا احوال قیامت میں خدا کے سامنے پیش ہونے، وزن اعمال پل صراط، حوض کوثر، شفاعت جنت اور اس کی نعمتیں اور دوزخ اور اس کی آگ کا خبر دینا۔

یا چند معاملات دنیاویہ سے خبر دینا۔ مثلاً بدر میں مشرکین کی قتل گاہیں بتانا، یا حاطب بن بلتعہ کی چٹھی واپس لینا۔ جو اُس نے پوشیدہ طور پر مشرکین کو لکھی تھی۔ یا ابو جہل کو بتانا کہ اس کی مٹی میں کسکریاں ہیں۔ یا شاہ فارس کے قتل کی خبر دینا خاص اسی صبح کو جبکہ مارا گیا تھا۔ یا موت نجاشی شاہ حبشہ کی خبر دینا۔ پھر مدینہ طیبہ میں اس پر غائبانہ جنازہ پڑھنا۔ یا یہ خبر دینا کہ میکہ اس کا قدم عابدہ کو کھا گئی ہے۔ جو قریش نے آپ کے خلاف لکھ کر بیت اللہ شریف



میں اویزاں کیا تھا۔ یا حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر دینا اور اس کے  
 دو رفیقوں کی خبر دینا جنگِ تبوک میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر  
 فتوحات کا حاصل ہونا۔ یا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ پر قلعہ خیبر کا فتح ہونا یا  
 بکری کے گوشت میں زہر ملائے کی خبر دینا جو یہودیوں نے آپؐ کی خدمت میں  
 بطور تحفہ بھیجا تھا۔ یا آپؐ کا خبر دینا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ذوالشہدین خارجی  
 کو قتل کریں گے۔ یا اخیر زمانہ میں فتنوں کا پیدا ہونا۔

عزیز! اسی قسم کی غیبی خبریں کئی ایک اور بھی آپؐ نے دی ہیں جو  
 اس شخص پر محقق نہیں جو علوم اسلامیہ میں مہارت اور واقفیت رکھتا ہے۔ اگرچہ  
 سوال کیا جائے کہ یہ تو خدا کے بتانے سے آپؐ نے بتائی ہیں۔ اس لئے یہ خبریں  
 غیب نہیں بلکہ از قلم وحی ہیں۔ تو ہم کہتے ہیں کہ پھر بھی ہمارا دعویٰ ثابت ہوا کہ آپؐ  
 عالم الغیب تھے۔ اور جب یوں کہا جائے کہ خدا تعالیٰ کی اطلاع کے بغیر کشف  
 کے طور پر آپؐ نے یہ خبریں دی تھیں۔ تو اس صورت میں بھی نبی کریم  
 صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عالم الغیب کہنا صحیح ہو گا۔ جو مقلد یوں کہتے ہیں کہ  
 حضور علیہ السلام تمام قسم کے غیب کو جانتے تھے۔ یا یوں کہتے ہیں کہ آپؐ کو تمام  
 مآکان مایکون کا علم غیب تھا۔ تو ان کی مراد بھی وہی علوم غیبیہ ہیں۔ جو تبلیغ  
 رسالت اور منکرین کو لاجواب کرنے یا گزشتہ انبیاء علیہم السلام کے حالات  
 معلوم کرنے کے متعلق ہیں۔ یا ان کی مطیع امت کی نجات اور منکرین کی ہلاکت  
 کے متعلق ہیں۔ یا جو امت محمدیہ کے احوال سے تعلق رکھتے ہیں۔ جو اخیر زمانہ  
 میں پیش آئیں گے۔ یا ان فتنوں کی بابت ہیں جو امت محمدیہ پر آنے والے ہیں  
 یا ان تکالیف کے متعلق ہیں جو ان پر آئیں گی۔ یہاں تک کہ اہل جنت میں چلے  
 جائیں گے۔ اور اہل نار و زنج میں پڑیں گے۔

مگر ہاں وہ علوم جو آپ کے شان کے شایان نہیں مثلاً علم شعر، جغریہ، سیما، کیمیا وغیرہ اور وہ علوم کہ جن کا تعلق تبلیغ رسالت سے قطعاً نہیں۔ مثلاً پہاڑوں کے وزن معلوم کرنا۔ سمندروں کے پانی ماپنے کا علم یا بارش کے قطرات کی گنتی یا درختوں کے پتوں کی گنتی۔ اور اسی قسم کے اور علوم کہ جن کے نام بھی ہم نہیں جانتے اور نہ ہی ہیں ان کی تشریح معلوم ہے۔ تو یہ سب قسم کے علوم خاص خدا سے ہی تعلق رکھتے ہیں۔ جو ان کو پیدا اور فنا کرتا ہے وہ کسی انسان کا ان سے کوئی واسطہ نہیں۔

اگر کہا جائے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعض غیبیوں کے عالم ہیں تو ہجر عالم الغیب کے فقرہ کا آپ پر استعمال کرنے کا کیا مطلب ہوگا۔ تو ہم جواب دیں گے کہ کسی شخص کو کسی صفت سے موصوف کرنے کا یہ معنی نہیں ہوتا کہ اسی صفت کے تمام اقسام بھی اس میں موجود ہوں۔ بلکہ اتنا ضروری ہوتا ہے کہ اس کے بعض حصے اس میں پائے جائیں۔ کیونکہ جب یوں کہتے ہو کہ زید عالم ہے تو اس سے یہ مراد نہیں ہوتی کہ زید تمام قسم کے علوم دنیاوی، حلال، حرام وغیرہ سب جانتا ہے۔ بلکہ بلا تکلف یہی ذہن میں آتا ہے کہ زید علوم مروجہ کا عالم ہے۔ جو روزمرہ استعمال ہوتے ہیں۔ اسی طرح خدا تعالیٰ کا قول ہے کہ **إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنَ خَلْقٍ** (پارہ ۲۰۔ سورۃ اقصیٰ۔ رکوع ۱) (انسان بیشک اپنی حد سے بڑھ جاتا ہے جبکہ وہ اپنے آپ کو مستغنی دیکھتا ہے)۔ اس سے مراد بھی بعض انسان ہیں ورنہ کسی ایک مالدار اللہ کے بندے ہو گزرے ہیں۔ بلکہ مالدار انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی تھے۔



## ۸۔ ایصالِ ثواب

(حیثیت کو ثواب پہنچانا)

اختلافی مسائل میں سے ایک مسئلہ ایصالِ ثواب کا بھی ہے۔ کہ مَرْدِ دُعا کی روحوں کو اپنے اعمال کا ثواب پہنچانا جائز ہے یا نہیں؟ مخالف کہتے ہیں کہ حرام ہے یا ممنوع ہے یا بے فائدہ ہے۔ جہیں نہ نفع ہے نہ نقصان۔ اس کے متعلق ان کے خیالات مختلف ہیں۔ بہر حال مائتین کی دلیل یہ ہے کہ خدا نے فرمایا ہے کہ انسان کیلئے اپنی ہی کمائی کا کام اٹھے گی۔ اس مسئلہ میں فریقین کے علماء کے درمیان بڑا اختلاف ہے۔ جس کے دلائل کا ذکر کرنا طوالت ہو گا۔ مگر اس رسالہ کے مصنف عبدِ ضعیف نے جب شیخ ابن قیم جوزی حنبلی کا اس مسئلہ میں ایک مضمون دیکھا جس میں انصاف بھرا ہوا تھا۔ تو میں نے وہی اختیار کر لیا۔ اور یہی پسند کیا کہ شیخ موصوف کے عقیدہ کیساتھ ان کا مقابلہ کروں۔ کیونکہ مسائل میں شیخ موصوف مخالفین کا ایک مسلم بزرگ ہے۔ اُمید ہے کہ وہ بھی حق کی طرف رجوع کر لیں گے۔ چنانچہ میں شیخ صاحب موصوف رحمہ اللہ کا وہ اقتباس پیش کرتا ہوں جو آپ نے اپنی کتاب ”کتاب الروح“ میں درج کیا ہے۔

لکھتے ہیں کہ سولہواں مسئلہ یہ ہے کہ آیا مَرْدِ دُعا کی روح زندہ اعمال سے فائدہ اٹھا سکتی ہے یا نہیں؟ جو اب یوں ہے کہ فائدہ اٹھا سکتی ہے۔ دو طریق سے جن پر اہل سنت کے فقہاء، المحدث اور مفسرین کا اتفاق ہے۔ پہلا طریق یہ ہے کہ مَرْدِ دُعا اپنی زندگی میں اس عمل کا باعث بنا ہو۔ دوسرا طریق یہ ہے کہ زندہ مسلمان اس کے حق میں دعا اور استغفار کریں یا صدقہ خیرات کریں یا حج کریں۔ گواہیں یہ اختلاف ہے کہ مَرْدِ دُعا کو ثواب مال خرچ کرنے کا

مے لکایا اسل عمل کا ثواب ہو گا۔ جبہ و راہل علم کے نزدیک خود نیک عمل کا ثواب ملتا ہے۔ اور بعض حنفیہ کے نزدیک نیک عمل پر مال خرچ کرنے کا ثواب ملتا ہے۔

پھر ان کا اس میں اختلاف ہے کہ بدنی عبادات مثلاً نماز، روزہ، تلاوت قرآن اور ذکر الہی کا ثواب پہنچتا ہے یا نہیں؟ تو امام احمد بن حنبل اور جبہ و سلف کا یہ مذہب ہے کہ یہ بھی پہنچتا ہے اور یہی قول حضرت امام اعظمؒ کے بعض شاگردوں کا بھی ہے۔ اور اس فتوے پر محمد بن عیسیٰ کمال کی روایت میں یوں تصریح موجود ہے کہ امام احمدؒ سے سوال کیا گیا کہ ایک آدمی کوئی نیک عمل کرتا ہے، مثلاً نماز، صدقہ، خیرات یا کوئی اور نیک عمل اور اس کا نصف حصہ اپنے باپ یا اپنی والدہ کے لئے مقرر کرتا ہے۔ کیا یہ جائز ہے؟ آپ نے کہا کہ مجھے امید ہے کہ وہ صحیح ہے پھر فرمایا کہ میت کو ہر چیز (از قم صدقہ وغیرہ) پہنچتی ہے یہ بھی کہا کہ آیتہ الکرسی تین دفعہ اور قل ہو اللہ احد ایک دفعہ پڑھو اور یوں دعائیں کہو کہ یا اللہ اس کا ثواب اہل مقابر کو پہنچے۔

اس امر کا ثبوت کہ جس نیک کام کا مردہ خود باعث اپنی زندگی میں بن چکا ہے اُس سے اس کو فائدہ پہنچتا ہے۔ یہ ہے کہ امام مسلمؒ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت لکھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ انسان جب مرتا ہے تو اس کے اعمال ختم ہو جاتے ہیں۔ مگر تین قسم کے عمل جاری رہتے ہیں۔ اول صدقہ جاریہ، دوم مفید علم، سوم نیک اولاد جو اُس کے حق میں دعا گو رہے لہذا ان اعمال کا استثنا کرنا اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ عمل بھی اسی میت کے ہیں کیونکہ وہی ان کا باعث بنا ہے۔ اور سنن ابن ماجہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک یہ بھی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مومن کے نیک اعمال میں سے موت کے بعد اس کو یہ



عمل پہنچتے ہیں۔ اول جو اس نے پڑھایا اور پھیلایا۔ دوم نیک اولاد جو اپنا جائز بنانا گیا۔ سوم قرآن مجید جو ورثہ میں چھوڑ گیا۔ چہارم مسجد جو اس نے بنائی۔ پنجم سرائے جو مسافروں کے لئے تیار کی۔ ششم نہر جو اس نے کھدائی۔ ہفتم صدقہ جو اپنی زندگی میں بحالت صحت الگ کر چکا ہے۔ یہ موت کے بعد اسے پہنچے گا۔ (مختصر طور پر یہ مضمون ختم ہوا)

اور یہ امر کہ جس چیز کا باعث وہ مردہ نہیں بنا۔ اس کا ثواب یا نفع بھی اسے پہنچتا ہے تو اس کا ثبوت قرآن، حدیث، اجماع اور اصول شرع سے ملتا ہے۔ چنانچہ قرآن شریف میں ہے کہ، وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنَّا بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ۔ (پارہ ۲۸۔ سورہ حشر۔ رکوع ۱) ”جو مسلمان پہلے مسلمانوں کے بعد دنیا میں آئے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یا اللہ ہمیں بخش اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی بخش، جو ہم سے پہلے ایمان لائے تھے۔“ دیکھو خدا تعالیٰ نے ان مسلمانوں کی تعریف کی ہے جو پہلے پہلوں کے لئے مغفرت مانگتے ہیں اور اجماع اُمت محمدیہ سے ثابت ہے کہ نماز جنازہ میں میت کیلئے دعا کرنے سے اسے فائدہ پہنچتا ہے۔ اور کتب حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب تم میت پر نماز جنازہ پڑھو تو خلوص دل سے اس کے لئے دعا کرو۔ اور صحیح مسلم میں عوف بن مالک سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک جنازہ پڑھا۔ اس میں آپ نے میت کے لئے جو دعا فرمائی تھی میں نے وہ یاد کر لی۔ چنانچہ آپ فرماتے تھے کہ یا اللہ اسے بخش دے اور اس پر رحم کر اور اسے سلامتی دے۔ اس کے قصور و معاصی کو۔ اپنے پاس عزت و اکبر کے ساتھ اسے فروکش کر اور اپنی ہار گاہ میں اس کا داخلہ وسیع کر۔

## صدقہ کا ثواب پہنچانا

صدقہ کا ثواب پہنچانا اس حدیث سے ثابت ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے صحیحین میں مروی ہے کہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں ایک آدمی حاضر ہوا اور کہا کہ میری ماں مر گئی ہے اور وصیت نہیں کر سکی۔ مجھے خیال ہے کہ اگر بول سکتی تو صدقہ صدقہ کرتی۔ تو کیا میں اگر صدقہ کروں تو اس کو ثواب ملے گا۔ تو آپ نے فرمایا کہ ہاں ضرور ملے گا۔ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سعد بن عبادہ کی ماں مر گئی اور وہ غیر حاضر تھا۔ پھر وہ حضور علیہ السلام کے پاس آیا اور کہنے لگا، یا رسول اللہ میری ماں میری غیر حاضری میں مر گئی ہے تو اگر میں اسکی طرف سے وکیل بن کر صدقہ کروں تو کیا اسے کچھ فائدہ ہوگا۔ تو آپ نے فرمایا ہاں فائدہ ہوگا۔ پھر سعد نے کہا کہ آپ گواہ رہیں کہ میرا بار و تر باغ اسکی طرف سے صدقہ ہے۔ اور یہی حدیث سنن میں ہے اور سند احمد میں بھی سعد بن عبادہ سے روایت ہے کہ اس نے کہا کہ میری ماں ام سعد مر گئی ہے۔ تو آپ فرمائیے کہ کس قسم کی خیرات اسکی طرف سے افضل ہوگی۔ تو آپ نے فرمایا کہ پانی کی خیرات افضل ہے۔ پھر اس نے ایک کنواں بنوایا اور کہا کہ یہ کنواں میری ماں ام سعد کا ہے۔

## روزے کا ثواب پہنچانا

ربا روزہ کا ثواب پہنچانا تو اس کے متعلق بھی صحیحین میں روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو مر جائے اور اس کے ذمہ پر روزے باقی ہوں تو اس کا وارث اس کی طرف سے روزے دے



اور یہ بھی صحیحین میں ہی روایت ہے کہ ایک آدمی حضور علیہ السلام کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میری ماں مر گئی ہے۔ اور اس کے ذمہ ایک ماہ کے روزے باقی ہیں تو کیا میں اس کی طرف سے قضا کروں تو آپ نے فرمایا ہاں قضا کرو۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک عورت حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی کہ میری ماں مر گئی ہے اور اس کے ذمہ پر نذر کے روزے باقی ہیں تو کیا اس کی طرف سے میں روزے رکھوں؟ تو آپ نے فرمایا کہ تم یہ خیال کرو کہ اگر اس کے ذمہ پر قرضہ ہوتا تو تو اسے ضرور ادا کرتی، تو کیا وہ اس کی طرف سے ادا ہو جاتا یا نہ ہوتا۔ کہنے لگی ہاں وہ تو ادا ہو جاتا۔ تو پھر آپ نے فرمایا کہ تو اس کی طرف سے روزے بھی رکھو (یہ لفظ بطور تعلیق کے صرف بخاری میں ہیں)

## حج کا ثواب پہنچانا

رہا ثواب حج کا پہنچانا۔ تو اس کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت صحیحین میں موجود ہے کہ قبیلہ جہینہ کی ایک عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی کہ میری ماں نے نذر مالی تھی کہ حج کروں گی۔ مگر وہ حج نہیں کر سکی اور مر گئی۔ تو کیا میں اس کی طرف سے حج کروں؟ آپ نے فرمایا، اس کی طرف سے حج کر۔ پھر فرمایا کہ تم خود سمجھو کہ اگر تیری ماں پر قرضہ ہوتا تو تو اس کی طرف سے ضرور ادا کرتی۔ اس لئے خدا کا قرضہ بھی ادا کرو۔ کیونکہ اس کا قرضہ ادا کرنا تو سب سے زیادہ ضروری ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی روایت ہے کہ ایک عورت نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا تھا اپنے بیٹے کے متعلق کہ وہ مر گیا ہے۔ اور حج نہیں کر سکا۔ تو آپ نے فرمایا تو بھرتہ تم اس کی طرف سے حج کرو (انتہی مختصراً)

اس کے بعد شیخ موصوف فرماتے ہیں کہ تمام مسلمانوں کا اس امر پر اجماع اور اتفاق ہے کہ میت کا قرضہ بعد میں ادا کرنے سے ساقط ہو جاتا ہے۔ اگرچہ ادا کرنے والا کوئی بیگانہ ہو یا اس کے سال متروکہ سے بھی ادا نہ کیا جائے اور حدیث قنودہؓ کی اس کاشتوت دیتی ہے کہ اس نے ایک میت کی طرف سے دو دینار کی ضمانت دی تھی اور جب ادا کر دیتے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اب تو نے اس کے جسم کو ٹھنڈا کیا ہے۔

## قرآن مجید کا ثواب پہنچانا

اب رہی تلاوت قرآن، تو اس کے متعلق بھی شیخ موصوف نے اپنی تصنیف کتاب الروح کے آغاز میں مسئلہ اول کہہ کر بیان کیا ہے۔ کہ سلف صالحین کی ایک جماعت سے روایت ہے کہ انہوں نے مرتے وقت یہ وصیت کی تھی کہ دفن کے وقت ان کے پاس قرآن مجید پڑھا جائے۔ شیخ عبدالحق کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آپ نے حکم دیا تھا کہ میری قبر کے پاس سورۃ بقرہ پڑھی جائے اور مجوزین میں سے ایک حضرت علی بن عبدالرحمنؓ بھی ہیں اور حضرت احمد بن حنبلؓ جب تک کہ آپ کو کسی صحابی کا اہل معلوم نہ تھا۔ اس کے منکر تھے پھر آپ نے رجوع کر لیا اور جناب غلال اپنی جامع میں یہ عنوان دیکر کہ قبر کے پاس تلاوت قرآن جائز ہے لکھتے ہیں۔ کہ عباس بن محمدؓ دوری نے ہمیں بتایا تھا کہ یحییٰ بن معینؓ نے ہمیں بتایا تھا کہ معمر بن عیسیٰؓ نے کہا ہے کہ عبدالرحمن بن علاءؓ بن صلاحؓ اپنے باپ سے روایت کرتا ہے کہ میرے باپ نے کہا تھا کہ جب میں مری جاؤں تو مجھے لکھیں کہ میں رکھتا ہوں کہ یوں کہو بسم اللہ



علیٰ سنت رسول اللہ۔ پھر محمد پر مٹی ڈالتے مہانا اور میرے سر پر سورہ بقرہ کی ابتدائی اور آخری آیات پڑھنا کیونکہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے سنا ہوا ہے کہ آپ یوں کہا کرتے تھے۔

اس کے بعد کہ شیخ موصوف عقلی اور نقلی دلائل دے چکے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ یہ تصریحات اس امر پر متفق ہیں کہ جب زندہ میت کی طرف سے کوئی عمل کرتا ہے تو اس کا ثواب میت کو پہنچتا ہے۔ اور عقل کا مقتضی ابھی یہی ہے کہ گو ثواب عمل کرنے والے کا حق ہے۔ مگر جب وہ اپنے مسلم بھائی کو بخش دیتا ہے تو کوئی ممانعت نہیں ہوتی بطریق کہ اس امر کی ممانعت نہیں کہ اس کی زندگی میں اپنا کچھ مال بخش دے یا اس کی موت کے بعد اس کو مال کی ادائیگی سے بری اللہ کر دے۔ خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں خبردار کر دیا ہے۔ کہ روزے کا ثواب میت کو پہنچتا ہے حالانکہ وہ روزہ صرف ترک اکل و شرب اور نیت کا نام ہے۔ اور نیت کا تعلق صرف دل سے ہے۔ جس پر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مطلع نہیں ہوتا۔ اور یہ روزہ کوئی محسوس قیم کا عمل نہیں اور آنحضرت علیہ السلام نے یہ بھی بتا دیا ہے کہ قرأت قرآن کا ثواب بھی بطریق اولیٰ پہنچتا ہے جو زبان کا عمل ہے اور اسے کان سکتے ہیں۔ اور انکو دیکھتی ہے۔ اسکی وضاحت یہ ہے کہ روزہ صرف نیت ہے۔ اور روزہ ممکن امور سے اپنے نفس کو روکنے کا نام ہے۔ اور خدا اس کا ثواب میت کو پہنچا دیتا ہے۔ تو جہلا قرآء قرآن کا ثواب کیوں نہ پہنچے گا۔ جو عمل اور نیت سے مرکب ہے بلکہ اس میں نیت کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔ پس میت کو روزہ کے ثواب کے پہنچنے میں اس امر کا اشارہ ہے کہ باقی اعمال کا ثواب بھی میت کو پہنچتا ہے۔

اب عبادات دو قسم کی ہیں۔ مالی اور بدنی اور تعمیر ان کے مرکب

کرنے سے پیدا ہوتی ہے۔ اور حضور علیہ السلام نے ثواب صدقہ کے پہنچنے میں باقی عبادات مالیہ کے پہنچنے پر اشارہ کر دیا ہے۔ اور روزہ کے ثواب پہنچنے میں آپ نے اشارہ کیا ہے کہ تمام عبادات بدنیہ کا ثواب پہنچتا ہے۔ اور آپ نے حج کے ثواب پہنچنے کی بھی خبر دی ہے۔ جو عبادات مالی اور بدنی سے مرکب ہے۔ پس تینوں قسم کا ایصالِ ثواب نص اور قیاس شرعی سے ثابت ہو گیا  
وبی اللہ التوفیق۔

پھر شیخ موصوف لکھتے ہیں کہ مخالفین کی دلیل یہ ہے کہ :

وَاَنْ لِّیْسَ لِلْاِنْسَانِ الْاِمَّا سَعٰی ( پارہ ۲۷ - سورة النجم . رکوع ۲ )

خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ انسان کیلئے وہی ہے جو اس نے کمایا " اور یہ بھی فرمایا کہ :

لَا تُجْزَوْنَ الْاَمْا كُتْمًا فَعْمَلُوْنَ ( پارہ ۲۳ - سورة یسین . رکوع ۴ )

" تم کو اسی کا بدلہ ملے گا جو تم دُنیا میں کرتے تھے " پھر فرمایا کہ : لَهَا مَا كَسَبَتْ

وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ( پارہ ۳ - سورة البقرہ . رکوع ۷ ) " انسان

نفس کیلئے وہ نیک عمل کام آئیگا جو اس نے کمایا ہوگا۔ اور اس پر اس بد عملی کا بوجھ

پڑیگا جو نفس پروری کیلئے اس نے کمائی ہوگی " اور حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ انسان

مرتبہ ہے تو اس کے عمل بند ہو جاتے ہیں۔ سوائے تین صورت کے کہ صدقہ جاریہ ہو

جو اس کے نام پر چلتا رہے۔ یا اولاد نیک ہو جو اسے نیک دُعائے۔ یا مفید تعلیم

ہو جس سے اس کے بعد لوگوں کو فائدہ پہنچے۔ بہر حال حضور علیہ السلام نے وہ

اعمال نافع بتائے ہیں کہ جن میں بحالتِ حیات خود انسان کی اپنی کوشش کا کچھ

دَخل ہو اور جنہیں اس کا کچھ دخل نہیں وہ عمل مزدور بند کیے جائیں گے۔

اس کے بعد شیخ موصوف نے ان کے عقائد کے دلائل بیان کئے

ہیں اور مجوزینِ ایصالِ ثواب پر ان کے اعتراضات لکھے ہیں۔ پھر جو ایصالِ ثواب



کے قائل ہیں انہوں نے مخالفین کو یوں خطاب کیا ہے کہ جو کچھ تم نے بیان کیا ہے اس میں ایک دلیل بھی ایسی نہیں جو ہماری تحقیق کے مخالف ہو۔ جو ہم نے کتاب و سند اور اجماع سلف صالحین اور نتائج قیاس شرعیہ سے پیش کی ہے۔ کیونکہ یہ آیت کہ لیس للانسان الا ما سعی مفسرین کے درمیان مختلف فیہ ہے کہ اس انسان سے کیا مراد ہے۔

ایک جماعت کا قول ہے کہ اس سے مراد کافر انسان ہے اور مومن انسان کیلئے اسکی اپنی کمائی بھی مفید ہے۔ اور وہ کمائی بھی مفید ہے جو غیر کی طرف سے اس کے لئے کی جائے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

ایک جماعت کی رائے ہے کہ یہ آیت پہلی شریعتوں کی خبر دیتی ہے۔ دوسری شریعت میں تو اپنی اور غیر کی کمائی دونوں ثابت ہیں۔

ایک گروہ کا قول ہے کہ (لام بمعنی علی ہے) اور اس کا یہ معنی ہے کہ انسان کا نقصان اسی کی کمائی سے ہوگا۔ غیر کی بد عملی سے اسے نقصان نہیں پہنچے گا۔

ایک فریق کا خیال ہے کہ اس مقام پر (او سعی لہ) مقدر ہے تو اصل آیت یوں ہوگی کہ ، لیس للانسان الا ما سعی او سعی لہ۔

ایک فریق کہتا ہے کہ یہ آیت ہی منسوخ ہے۔ اس آیت سے کہ جو لوگ ایمان لائے ہیں اور ان کی اولاد ایمان لانے میں ان کی تابع ہے تو ہم ان کی اولاد کو ان میں ہی شامل کر دیں گے۔ اور یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔

ایک جماعت کی رائے ہے کہ اس سے مراد زندہ انسان ہے مرنے

انسان مراد نہیں۔

شیخ موصوف فرماتے ہیں کہ یہ تمام تاویلیں آیت کے عام فہم کو بری طرح بگاڑتی ہیں۔ اس لیے ہم ان کو پسند نہیں کرتے۔ پھر ایک اور جماعت کا قول نقل کر کے فرماتے ہیں کہ یہ جواب ابو الوفا بن عقیل کی طرف سے دیا گیا ہے۔ چنانچہ اس نے کہا ہے کہ بہتر جواب میرے نزدیک یہ ہے کہ انسان اپنی کوشش سے اور اپنی قوم کے نیک سلوک سے دوست پیدا کر لیتا ہے۔ بچے پیدا کر لے، بیوی سے نکاح کرتا ہے۔ غیرے بھلائی کرتا ہے۔ اور لوگوں سے دوستاؤں کا منتہا ہے۔ تو لوگ اس پر رحم کرتے ہیں اور عبادات کا تحفہ دیتے ہیں۔ تو یہ سب اسی کی کوشش کا نتیجہ ہو گا۔ کیونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ انسان کی بہتر خواہش وہ ہے جو اپنی کمائی سے کھائے۔ اس کی اولاد بھی اس کی کمائی سے۔ مگر یہ جواب نامکمل ہے اس لئے اسے تکمیل کی ضرورت بھی باقی ہے۔ کیونکہ انسان اپنے ایمان سے اور خدا اور رسول کی اطاعت سے اپنے عمل کے علاوہ اپنے مسلم بھائیوں کے عمل سے بھی فائدہ اٹھانے میں کوشش کرتا ہے۔ جیسا کہ زندگی میں اپنے عمل کے جوتے ہوتے لکھنے عمل سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ کیونکہ مسلمان ایک دوسرے کے لیے عمل سے فائدہ اٹھایا کرتے ہیں۔ جیسا کہ مکر شریک کار بہوں سے باجماعت نماز ادا کرنا وغیرہ۔

پھر شیخ موصوف فرماتے ہیں کہ مومن کا مسلمانوں کی جماعت میں داخل ہونا اور ان سے برادری کا معاہدہ قائم کرنا ہی ایک بڑا سبب ہے۔ اس امر کا کہ ہر مسلم کو اپنے بھائی کی طرف سے فائدہ پہنچے زندگی میں بھی اور موت کے بعد بھی۔

پھر شیخ فرماتے ہیں کہ انسان اپنے ایمان کی وجہ سے اپنے حق میں دھلے غیر لینے کا باعث ہوتا ہے۔ تو گویا یہ دعا بھی اسی کی کوشش ہے۔ اس کی وضاحت اس سے ہوتی ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے عبادت کو اس امر کا سبب بنایا ہے



کہ وہ عابد اپنے مسلم بھائیوں کی دعا اور سعی سے فائدہ اٹھائے تو انسان جب عبادت کرتا ہے تو وہ گویا اس سبب کے پیدا کرنے میں کوشش کرتا ہے جس کے طفیل سے وہ فائدہ اسے پہنچایا جاتا ہے۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان بھی دلالت کرتا ہے۔ جو آپؐ نے عمر بن عباسؓ کو فرمایا تھا جب کہ اس کا باپ بحالت کفر مر گیا اور اس نے اسکی طرف سے ایک غلام آزاد کیا اگر وہ تو عید کا قائل ہو جاتا تو یہ غلام آزاد کرتا اسے مفید پڑتا جو اسکی موت کے بعد اسکی طرف سے آزاد کیا گیا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اگر وہ سبب پیدا کرتا تو گویا یوں سمجھا جاتا کہ وہ ایسا کام کرتا تھا جو اسکو غلام آزاد کرنے کا ثواب پہنچا دیتا۔ بطریق جواب بہت لطیف اور خوب ہے۔ اب وہ تمام مضمون مختصر طور پر یہاں ختم ہو گیا ہے۔ جو شیخ ابن قیم جوزی نے اپنی تصنیف کتاب الروح کے سولہویں مسئلہ میں درج کیا ہے۔

اب عبد ضعیف (مؤلف رسالہ نداء) کہتا ہے کہ اگر تم کس سے یوں کہہ دو کہ تیرے پاس تو صرف دنیاوی مال وہی ہے جس کے تم اب مالک ہو۔ مگر کس نے اگر اس کے بعد اسے بہت مال دیدیا تو اس واقعہ سے تمہارا وہ پہلا کہنا غلط نہ ہوگا کہ تم صرف اتنے مال کے ہی مالک ہو۔ جواب تمہارے پاس ہے۔

## ۹۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نورانیت و بشریت

متنازع فیہ مسائل میں سے ایک مسئلہ بشریت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھی ہے۔ ایک جماعت کا قول ہے کہ جو شخص آپ پر بشر کا لفظ استعمال کرتا ہے وہ کافر ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس میں حضور علیہ السلام کی توحیدین ہوتی ہے۔ کیونکہ کافر بتک کرتے ہوئے یہ لفظ کہا کرتے تھے کہ تم آخر بشر ہی ہو۔

ایک فریق کا قول ہے کہ آپ ہمارے جیسے ہی بشر تھے کیونکہ آپ کو خدا نے حکم دیا ہے کہ آپ کہیں کہ میں تو تمہارے جیسا ہی انسان ہوں۔ اور ہمارے نزدیک آپ کا مرتبہ بڑے بھائی کے برابر ہے۔ مجھے معلوم نہیں ہو سکا کہ کس وجہ سے ان لوگوں نے رسول کو بڑا بھائی بنا لیا ہے کیونکہ اگر اس بڑائی سے مراد پہلے زمانہ میں ہونا مراد ہے تو البتہ اب کو زیادہ مستحق ہے کہ ان کا بھائی بن جائے۔ کیونکہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین پہلے زمانہ میں ان سے متفق ہو کر کرتا ہے۔ اور اگر بڑائی سے مراد مرتبہ کی بڑائی ہے یا قرب الہی کی بڑائی مراد ہے۔ تو ان کو حضور علیہ السلام کوئی بھی تناسب حاصل نہیں ہے۔ اور اگر ان کی مراد اسلامی برادری ہے تو پھر بڑا بھائی کہنے سے کچھ فائدہ نہیں کیونکہ تمام سونے میں چھوٹے بڑے یکساں بھائی ہیں۔ بہر حال یہ دونوں فریق افراط و تفریط میں پڑے ہوئے ہیں۔

حق بات یہ ہے کہ اس مسئلہ کی تشریح لوگوں کی جانتے کہ بشر اولاد آدم علیہ السلام کا نام ہے۔ جس کے معنی انسان ہے۔ خدا نے آدم کو بھی بشر کہا ہے۔ چنانچہ خدا نے فرشتوں سے کہا تھا کہ میں مٹی سے ایک بشر پیدا کروں گا۔ اور



نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی آدم علیہ السلام کی ہی اولاد ہیں۔ اور جب باپ بشر ہے تو بیٹا بھی ضرور بشر ہی ہوگا۔ مگر اس کے علاوہ بشر کے اور اوصاف اور خاصیتیں بھی ہیں جن کی وجہ سے وہ قرب الہی تک پہنچتا ہے۔ اگر وہ یہاں پہنچ گیا تو فرشتوں سے بھی افضل ہوگا۔ اور اگر بارگاہ الہی سے دوری کے گڑبڑوں میں گر گیا تو شیطان سے بھی زیادہ رذیل ہوگا۔ تو انبیاء علیہم السلام عموماً اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خصوصاً خدا کے فضل و کرم سے قرب الہی کے اعلیٰ درجات پر پہنچ چکے ہوئے ہیں۔ یہاں تک کہ آپ تو قاب قوسین اودانے کے مقام تک پہنچے ہوئے ہیں۔ کیونکہ خدا کا فضل آپ پر بے حد تھا یا وجود اس قرب الہی کے پھر بھی آپ بشر اور انسان ہی ہیں۔

اب یہ بحث باقی ہے کہ قرآن شریف میں جو مشکل آتا ہے اس سے کیا مراد ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ انسانی حقیقت میں اشتراک کی وجہ سے آپ کو دوسروں سے مساوات حاصل ہے۔ مگر بشر کی خصوصیات اور اعلیٰ صفات میں ان سے الگ ہیں اور مساوات فی البشر یہ کیلئے صرف ایک وصف بھی کافی ہے۔ اور یہ ضروری نہیں کہ آپ باقی صفات کاملہ میں بھی دوسروں کے مساوی ہوں یا وہ آپ کے مساوی ہوں جیسا کہ تم یوں کہتے ہو کہ زید شیر ہے تو تمہارا مقصود صرف یہ ہوتا ہے کہ زید شیر کے ساتھ شجاعت میں مساوی اور شریک ہے۔ باقی صفات شیر میں شریک نہیں کیونکہ شیر وحشی جانور ہے۔ اور زید انسان ہے ایک مشہور ضرب المثل میں خوب کہا گیا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بشر تو ہیں مگر عام بشر کی مانند نہیں بلکہ آپ یا قوت کی طرح ہیں کہ وہ بھی پتھر تو ہوتا ہے مگر اسے یا قوت کہتے ہیں۔ پتھر نہیں کہتے۔

مجھے معلوم نہیں کہ یہ لوگ حضور علیہ السلام سے بشریت کی نفی کیوں

کرتے ہیں حالانکہ بشریت ہی آپ کی رسالت کی تصدیق اور آپ کے معجزات اور فرق عادات کی تصدیق کا سبب ہے۔ کیونکہ انسان سے جب معجزات صادر ہوں یا فرق عادات تو یہی تصدیق رسالت کا سبب بنا کرتے ہیں۔ ورنہ اگر یہ سب کچھ فرشتوں سے صادر ہوں یا جن اور شیطان سے پیدا ہو تو کچھ تعجب نہ ہوگا۔ کیونکہ فرق عادات فرشتوں اور شیاطین سے ایک مسئلہ اور عادی امر ہے۔ بلکہ معجزہ اور فرق عادات کی حقیقت ہی انسان سے تعلق قائم کرنے کے ساتھ پیدا ہوا کرتا ہے کہ دوسرے انسان انبیاء علیہم السلام کے بغیر ایسا کرنے سے عاجز ہو اکتے ہیں۔ اسی بنا پر معجزہ کو فرق عادات کا نام دیا گیا ہے۔ یعنی معجزہ بنی آدم کی روزمرہ عادات کے خلاف ہوتا ہے۔ ورنہ یہ مطلب نہیں کہ وہ معجزہ فرشتوں یا شیاطین کی طاقت سے بھی باہر ہوتا ہے۔

صوفی یہ بھی کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نور ہیں کیونکہ خدا نے فرمایا ہے کہ، **قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ** (پارہ ۶ - سورۃ مائدہ ۵۵ - رکوع ۳) اے لوگو! تمہارے پاس اللہ کا نور آیا ہے اور روشن کتاب (قرآن مجید) لایا ہے۔ اس لئے آپ کو بشر کہنا صحیح نہیں۔ میں کہتا ہوں کہ یہ بھی تسلیم ہے کہ دربار بھی ایمان ہے کہ آپ نور ہیں مگر نورانیت انسان اور بشر ہی کیلئے تعریف کا سبب بنتی ہے۔ جبکہ وہ کثافت بشری سے نکل کر اصل نورانیت کے بلند مراتب پر رقی کر جائے اور جب انسان کے بغیر اگر کوئی (مثلاً فرشتہ) نورانیت سے موصوف ہو جائے تو اس کی یہ تعریف شمار نہ ہوگی۔ کیونکہ نورانیت اس میں فطرتی ہوتی ہے۔ بعد میں حاصل نہیں ہوتی۔ چنانچہ خدا فرماتا ہے کہ، **وَالْقَمَرُ نُورًا** (پارہ ۱۱ - سورۃ یونس - رکوع ۱) ہم نے چاند کو نور بنایا۔ تو چاند نے کثیف مادہ سے نورانیت کی طرف



ترقی نہیں کی۔ بلکہ خدا نے اسے متور ہی پیدا کیا ہے۔ تو اسکی نورائیت فطرتی  
 ہوگی، جسیں نہ کوئی تعریف نکلتی ہے اور نہ قابلِ قدر روح پیدا ہوتی ہے۔ خدا  
 نے فرمایا ہے کہ، **يٰٓاَيُّهَا حٰدِی اللّٰهُ لِنُوْرِهِ مَسْنٰی یَتَشَاعُطُ** (پارہ ۱۸  
 سورۃ نور - رکوع ۵) اور خدا مجھے چاہتا ہے اپنے نور کی طرف ہدایت کرتا ہے  
 پس ایسی بشریت جو نفسانی کرداروں سے صاف ہو ایک بڑی تعریف اور  
 مدح ہے اور بہت بڑا کمال ہے۔ مجھے اپنے لوگوں پر تعجب آتا ہے کہ وہ کیسے  
 کمال کو نقص جانتے ہیں۔ اور کس طرح مدح کو مذمت سمجھ رہے ہیں۔

## ۱۰. غیر اللہ کی تعظیم

مختلف فیہ مسائل میں سے غیر اللہ کی تعظیم بھی ہے۔ چند لوگوں کا خیال ہے کہ غیر اللہ کی تعظیم شرک ہے یا کفر ہے یا بدعت ہے۔ اس میں ان کی رائیں مختلف ہیں۔ مؤلف رسالہ مذکور کہتا ہے (خدا اے اس امر کی توفیق دے جسے وہ پسند کرتا ہے) کہ میں اس رسالہ سے پہلے کئی سال ایک کتاب تصنیف کر چکا ہوں۔ جس کا نام ہے ”در الاصول الاربعہ فی نزدیک الیہ“۔ جس میں کئی باب ہیں اور ایک خاص باب اس عنوان سے لکھا ہے کہ ”باب اول غیر اللہ کی تعظیم میں“، اور وہ کتاب چھپ کر شائع بھی ہو چکی ہے اور عجات مخالفین کے اہل علم کے پاس پہنچ چکی ہے۔ کہ ناہم مخالف کہتا ہے کہ غیر اللہ میں بت اور صورتیں بھی داخل ہیں ایسے تم انکی بھی تعظیم کیا کرو۔ حالانکہ یہ صحیح ہے کہ بتوں کی تعظیم شرک ہے۔ اور جواب میں میں کہتا ہوں کہ میں یہ نہیں کہتا کہ جمیع غیر اللہ قابل تعظیم ہیں تاکہ اسیں بت بھی شامل ہوں۔ کیا خدا تعالیٰ نے یوں نہیں کہا کہ، اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهِۦٓ لَکٰثِرٌ مِّنْ عَدٰوٍۃٍ (پارہ ۳ سورۃ اقصیٰ - رکوع ۱) ”انسان سرکشی کرتا ہے جب وہ دیکھتا ہے کہ خود مالدار رہے تو کیا انبیاء علیہم السلام نوع انسانی میں داخل نہیں ہیں؟ اگر میں تو ان پر سرکشی کا حکم کیسے صحیح ہو گا۔ خدا نے یہ بھی کہا ہے کہ، یٰۤاٰیُّهَا اٰدَمُ خُذْ زَوْجَکَ مِنْ ہٰذَا الشَّجَرِ وَلَا تَمَسْ ہٰذَا ہٰذَا الشَّجَرُ فَتَکُوۡنَ مِنَ الصّٰغِرِیۡنَ (پارہ ۸ - سورۃ اعراف - رکوع ۳) اے بنی آدم ہر مسجد اور نماز کے وقت اپنی زینت حاصل کرو تو کیا کفار بنو آدم میں داخل نہیں ہیں؟ اگر ہیں تو ہر ایک نماز میں انکی زینت کیسے ہوگی، غرضیکہ اس قسم کی مثالیں قرآن میں بہت ہیں۔ چنانچہ یہ ایک اور مثال ہے کہ خدا نے



کہا ہے کہ، قَتَلَ الْإِنْسَانَ مَا أَكْفَوْهُ (پارہ ۲۰ - سورۃ عبس -

رکوع ۱) ”انسان بڑا کافر ہے، جس سے مراد تمام انسان نہیں۔“ اس کے سوا اور بھی کئی ایک مثالیں ہیں۔ پس اگر غیر اللہ کے عام لفظ میں مبت داخل ہیں تو انبیائے معصوم بھی طغیان میں داخل کرنے پڑیں گے۔ اور کفار بھی ان کے خیال میں داخل صلوة ہوں گے۔ تو جو جواب تم دو گے وہی جواب ہم دیں گے۔ مگر ماں بعض غیر اللہ وہ بھی ہیں جن کی تعظیم کا حکم خود خدا نے دیا ہے اس لئے انکی تعظیم واجب ہوگی۔ کیا خدا نے یوں نہیں کہا کہ، ذَٰلِكَ وَمَنْ يُعْظِمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ ۝

(پارہ ۱۷ - سورۃ الحج - رکوع ۴) ”جو خداوندی یادگاروں کی تعظیم کرتا ہے۔ تو یہ تعظیم ان کے دل کے تقویٰ کی علامت ہے۔ کوہ صفا اور کوہ مروہ بھی اللہ کی یادگار ہیں۔ چنانچہ صافات لفظوں میں خدا نے کہا ہے کہ بیشک صفا و مروہ اللہ کے مشاعر میں سے جو کہ حرم مکہ کے قریب دو چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں ہیں۔ یہ بھی کہا ہے کہ بڑے جانور (اونٹ اور گائے) خدا نے تمہارے لئے اپنی یادگار بنائے ہیں۔ مزدلفہ اور مٹی بھی مشاعر اللہ میں۔ چنانچہ خدا نے کہا ہے کہ مشعر حرام (مزدلفہ دمشق) میں اللہ کا ذکر کرو۔ اسے یہ تو بتاؤ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حجر اسود کو کیا نہیں بوسہ دیا کرتے تھے؟ تو کیا بوسہ دینے میں تعظیم نہیں ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو خود والدین کی تعظیم کا حکم دیا ہے۔ اور خدا تعالیٰ نے بھی کہا ہے کہ، فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا ۝ (پارہ ۱۵ - سورۃ بنی اسرائیل - رکوع ۲) ”اے انسان تو اپنے ماں باپ کو اُن کے جواب میں یہ بھی کہو کہ (اُف) میں تمہارے کہنے سے بیزار ہوں بلکہ ان پر آواز نہ کھتا اور ان سے بات کہنی ہو تو انسا نیت کہنا۔ پھر کہا

کہ، اِنْ شَكَرْتُمْ لِيْ وَآلِوُالدِّیْكَ - (پارہ ۲۱ - سورۃ لقمن -

رکوع ۲) " اے انسان میرا شکر کر اور اپنے ماں باپ کا بھی شکر یہ ادا کر۔

اب بتاؤ کہ کیا ان دونوں آیتوں میں والدین کی تعظیم کا حکم نہیں؟ یہ بھی

کہا کہ، لَا یَسْتَفِیْہِ اِلَّا الْمُنْطَقَرُوْنَ (پارہ ۲۷ - سورۃ الواقعة - رکوع ۴) "وَرَّانِ یُجِیْہِا کَبِیْ ہَاتِہِ

لِکَافِیْنِ" تو کیا اسیں قرآن کی تعظیم نہیں؟ پھر کیا کہ، وَلِلّٰہِ الْعِزَّةُ

وَلِیْسُوْلِہِ وَلِیْلَمُوْصِیْنِ (پارہ ۲۸ - سورۃ المنافقون - رکوع ۱)

"اللہ اور رسول اور مومنین کیلئے عزت ہے" تو کیا اس آیت میں رسول

اور مومنین کی تعظیم نہیں بتائی گئی؟ پھر خدا تعالیٰ نے کہا کہ، یَاٰیَّتِہَا الَّذِیْنَ

اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْہَرُوْا

اِلَیْہِ بِالْقَوْلِ کَجَہْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ

وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ (پارہ ۲۹ - سورۃ العجرات - رکوع ۱)

اور نبی کی آواز سے اپنی آوازیں بلند نہ کرو اور کوئی بات نبی سے کہنی نہ ہو تو

گستاخی سے اونچی آواز کیسا تھمت کہو جس طرح کہ تم ایک دوسرے کو کہہ لیتے

ہو، ورنہ تمہارے نیک عمل سب محبط ہو جائیں گے اور تمہیں پتہ بھی نہ لگے

گاہ، تو کیا اس آیت میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم مذکور

نہیں؟ اس قسم کی اور بھی بہت آیات ہیں۔ اور احادیث بھی اس مضمون کے

متعلق بہت ہیں۔ پس اگر تم مذکور الصدر مخلوق کی تعظیم کا وجوب تسلیم کرتے

ہو تو تمہارے اس قول کا کوئی مطلب نہ ہو گا، کہ غیر اللہ کی تعظیم حرام ہوتی ہے

بالفرض اگر تم اسے تسلیم نہیں کرتے تو آپ ہمیں آیت مذکورہ بالا کا مطلب سمجھائیے

کہ کیا ہے؟ اور اس آیت کا مطلب بھی بتادیں کہ کیا ہے۔ وہ آیت یہ ہے کہ،

لِتَوْفِیْہِمْ اِیَّاللّٰہِ وَرَسُوْلِہِ وَتَعْرِیْزُہُ وَتَقْوِیْہُ (پارہ ۳۰)





میں کہا کہ، وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلَٰكِنَّ الْمُنَافِقِينَ  
(پارہ ۲۸ - سورۃ منافقون - رکوع ۱۷) بد عزت تو اللہ اور رسول کی ہے  
اور مومنین بھی ذی عزت ہیں۔ اب دیکھیں کون نکلتا ہے؟ بیچ بتاؤ جس کو  
خدا واجب التعظیم ٹھیرائے اسکی توبین کرنا کس مسلمان کا کام ہے۔

کیا تم مخالفین نے رسول علیہ السلام کا یہ حکم بھی نہیں سنا کہ  
جب حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ لڑائی سے واپس آئے تھے تو آپ نے  
انصار سے کہا تھا کہ اپنے سردار کا کھڑے ہو کر استقبال کرو تو یہ قیام تعظیمی تھا۔  
اگر یہ سوال کیا جائے کہ یہ حکم اس لیے تھا کہ آپ بیمار تھے تاکہ گھوڑے  
سے آپ کو آرام اتاریں۔ ورنہ تعظیم کے لئے یہ حکم نہ تھا۔ تو ہم کہیں گے کہ اس واقعہ  
کے متعلق سلسلہ کلام اس کے خلاف ہے۔ کیونکہ اگر گھوڑے پر سے اُتارنا  
مراد ہوتا تو یوں کہنا مناسب تھا۔ کہ ارے فلاں آدمی اٹھو اور ان کو گھوڑے  
سے اتارو۔ یا یوں حکم ہوتا کہ ارے فلاں و فلاں تم دونو اٹھو اور سعد کو گھوڑے  
سے اتارو۔ مگر یہاں تو جماعت کو مخاطب کیا ہے۔ اور سعد کو سید کہا ہے  
اور یہ سید کا لفظ سعد رضی اللہ عنہ کے حق میں باوازا بلند پکارتا ہے کہ آپ نے  
جو فرمایا تھا کہ اپنے سردار کیلئے کھڑے ہو جاؤ۔ اس سے مراد حضرت سعد کی  
تعظیم و توقیر تھی۔ پھر کیا مخالفین کو یہ معلوم نہیں کہ حضور علیہ السلام کے دربار میں صحابہ  
رضی اللہ عنہم ایسے متواضع ہو کر بیٹھتے تھے کہ گویا ان کے سر پر پرندے بیٹھے ہوئے  
ہیں۔ اب خدا جسے چاہے راہ راست کی ہدایت کرے۔



## ۱۱۔ مُردوں کا سنا

مختلف فیہ مسائل میں سے سماع موتی کا مسئلہ بھی ہے۔ مخالف کہتے ہیں کہ مردے نہیں سنتے اور ثبوت یہ دیتے ہیں کہ خدا نے حضور علیہ السلام سے کہا ہے کہ، **إِنَّكَ لَا تَسْمَعُ الْمَوْتَى وَلَا تَسْمَعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ إِذَا قُلُوا صَدِّيرِينَ** (پارہ ۲۰ - سورۃ نمل - رکوع ۶) ”اے آپ مُردوں کو نہیں سنا سکتے“ اور یہ بھی کہا کہ، **إِنَّ اللَّهَ يَسْمَعُ مَن يَشَاءُ وَمَا أَنتَ بِمُسْمِعٍ مَّن فِي الْقُبُورِ** (پارہ ۲۲ - سورۃ فاطر - رکوع ۳) ”اے آپ اُن مُردوں کو نہیں سنا سکتے جو قبروں میں پڑے ہیں۔“

اور ہم جواب میں یوں کہتے ہیں کہ مُردوں اور قبر والوں سے مراد یہاں کفار ہیں (جو کہ زندہ درگور ہیں) اور سننے سے مراد تصدیقی سنا ہے۔ اور اس امر کا ثبوت کہ یہاں سننے سے مراد تصدیقی سنا ہے، یہ ہے کہ کفار کے کانوں میں بہر اپن نہ تھا کہ حضور علیہ السلام کا کلام نہ سُن سکتے۔ پس وہ اگرچہ بظاہر سنتے تھے۔ لیکن تصدیقی سننے سے محروم تھے۔ اسی محاورہ کے مطابق ہے نمازی کالیوں کہنا کہ **سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ** خدا اسکی بات مان لیتا ہے جو اُس کی تعریف کرتا ہے یہاں بھی تصدیقی سنا مراد ہے۔ اس طرح یہ محاورہ بھی ہے کہ میں نے امیر کو اپنی حاجت روائی کیلئے پکارا مگر اس نے ایک نہ سنی، یعنی میری پکار کو منظور نہیں کیا۔ پس دونوں آیتوں میں مُردوں کے نہ سننے کا ثبوت نہیں ملتا۔ بلکہ انہیں سماع موتی کا ثبوت ملتا ہے۔ کیونکہ یہاں کفار کو مُردوں سے مساوی مانا گیا ہے۔ حالانکہ یہ سنتے تھے اور وہ نہیں سنتے تھے تو یہ مساوات کیسے ہوگی؟ تشبیہ تب ہی صحیح ہوگی کہ دونوں بظاہر سنتے تسلیم کیئے جا میں سو حقیقت یہ ہے۔ کہ جسطرح کفار

نظارہ ہر سنتے ہیں تو مڑے بھی بظاہر سکتے ہیں مگر تصدیقی سنا دونوں میں نہیں۔  
کیونکہ کفار انکار قلبی کی وجہ سے اس سے محروم ہیں۔ اور مڑے اس سے اسنے  
محروم ہیں کہ وہ جواب نہیں دے سکتے تو گویا وہ بھی نہیں سنتے۔

اب دونو آیت کا مفہوم یوں ہے کہ آپ تو ان کو نہیں سنا سکتے  
مگر خدا انکو سنا دیکھا۔ جیسا کہ ارشاد ہے کہ آپ تو اسے ہدایت نہیں دے  
سکتے جسے آپ پسند کریں۔ لیکن خدا ہے چاہے ہدایت دے دیتا ہے  
اور قرآن مجید میں اسکی تصریح بھی موجود ہے۔ کہ خدا ہے چاہے سنا دیتا ہے  
اور آپ اہل قبور کو نہیں سنا سکتے۔

اب ہم اصل مسئلہ سماع موتی کی طرف رجوع کرتے ہیں اور کہتے ہیں  
کہ سنا، دیکھنا، بولنا، حمل کرنا، چلنا اور تمام خود اختیاری فعل روح انسانی  
کافر میں کہ جب تک انسان زندہ رہے اسکی روح حواس اور بیرونی اعضاء کے  
امداد سے وہ فرائض بہم پہنچاٹے اور موت کے بعد اس کافر میں ہے کہ بغیر امداد  
حواس اور بیرونی اعضاء کے یہ سب کام کرے۔ اسکی مثال غیب ہے۔ کیونکہ غیب  
کی حالت میں تمام حواس معطل ہو جاتے ہیں، خواہ ظاہری ہوں یا باطنی اور بیرونی  
اعضا بھی کام سے رہ جاتے ہیں۔ مگر روح حسبِ تصور چلتی ہے اور سنتی ہے، دیکھتی ہے، بولتی ہے  
بولتی ہے، حمل کرتی ہے، لہذا چیزوں سے لذت بھی اٹھاتی ہے اور موزی اشیاء  
سے تکلیف بھی پاتی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ زندہ کی روح بحالتِ نوم اگرچہ  
جسم میں مقید ہے۔ سب کچھ کر لیتی ہے تو مڑہ کی روح جو جسمانی قید سے رہا  
ہو چکی ہے۔ کیسے ان افعال پر قادر نہ ہوگی۔ جن پر کہ بقید جسمانی قادر تھی۔ اسی بنا  
پر کہا گیا ہے۔ کہ غیب موت کے برابر ہے۔

اور ادراج کفار کے جو دوزخ کے قیر خانوں میں قید ہیں وہ ان



امور کے دریافت کرنے سے محروم رہتے ہیں۔ اور اپنی بد عملی کے بد نتائج  
 میں مبتلا رہتے ہیں۔ اسی طرح گنہگاروں کی روحیں بھی جب تک کہ خدا  
 ان پر رحم نہیں کرتا۔ اپنے عذاب میں مصروف و مبتلا رہتے ہیں۔

---

## ۱۲ بارگاہ الہی میں وسیلہ لینا

متنازع فیہ مسائل میں سے ایک تو مسئلہ کا مسئلہ بھی ہے کہ آیا اللہ کے نیک بندوں کی رُوحوں خواہ وہ زندہ ہو یا مردہ خدا کی بارگاہ میں وسیلہ بنایا جائے؟ اور اس مسئلہ کی دو صورتیں ہیں۔ اول یہ کہ انسان اپنے خدا کو پکارے اور بارگاہ الہی کے صالح بندوں میں سے کسی ایک کو اپنا وسیلہ بنائے۔ مثلاً یوں کہے کہ یا اللہ میں تیری بارگاہ میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح مبارک کا وسیلہ لاتا ہوں۔ یا یوں کہے کہ فلاں شیخ کی روح کا وسیلہ لاتا ہوں۔ یہ صورت بلاشبہ جائز ہے، تمام اُمت محمدیہ کے نزدیک۔ ہاں اسکا وہ مخالف ہے جس کے دل کو خدا نے اندھا کیا ہوا ہے اور اس کے کان اور آنکھ پر مہر کر دی ہے۔ اور ہمیں خدا نے تعالیٰ نے اس اُمت سے ہدایت کا راستہ بتا دیا ہے کہ، **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ** **وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ** (پارہ ۴ - سورۃ مائدہ - رکوع ۴)

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، خدا کے عذاب سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ نجات طلب کرو“ اس آیت میں وسیلہ طلب کرنے سے پہلے یہ لفظ ہے کہ اللہ کے عذاب سے ڈرو۔ اس میں اشارہ ہے کہ خدا کی مقدس بارگاہ میں وسیلہ طلب کرنے پر شوق دلایا گیا ہے۔ اور اسے واجب قرار دیا گیا ہے اور عباد اللہ کے وسیلہ پیش کرنے سے ادب کی تعلیم دی گئی ہے۔ کیونکہ دنیاوی اکابر سے عموماً اپنی حاجت طلب کرتا یوں ہی ہوتا ہے۔ کہ ہدیہ یا تحفہ کو وسیلہ بنایا جائے یا کسی مقرب کی سفارش پیش کی جائے جسکی عزت اُس بزرگ کے دل میں ہو۔ علیٰ ہذا القیاس عالم الغیب خدا بادشاہ کے دربار



میں بھی اپنی حاجت طلب کرنا سوائے وسیلہ پیش کرنے کے اور کوئی مجتہد ذریعہ تلاش کرنے کے بغیر صحیح نہ ہو گا۔ اور اس سخی لاپرواہ خدا کے دربار میں بہترین تھو یہی ہے، کہ ارواح عباد اللہ صالحین کو وسیلہ بنایا جائے۔

مگر مخالفت کہتے ہیں کہ جس وسیلہ پیش کرنے کا حکم قرآن مجید میں ہے اس سے مراد صرف اعمال صالحہ ہی ہیں کسی کی شخصیت وسیلہ نہیں ہو سکتی اور ثبوت میں وہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ تین آدمی غار میں پھنس گئے تھے۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ انہوں نے اپنے اپنے اعمال خدا کو پیش کر کے دعا مانگی تھی۔ اور وہ دعا منظور بھی ہو گئی تھی۔

اور ہم جواباً کہتے ہیں کہ توسل جس طرح اعمال سے جائز ہے۔ اسی طرح خدا کے نیک بندوں سے بھی صحیح ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں تحویل ہو گیا تھا۔ تو آپ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے توسل کیا تھا۔ درحقیقت کسی نیک بندے کا توسل پیش کرنا اس کا یہی مطلب ہوتا ہے کہ اس کے نیک عمل پیش کئے جاتے ہیں۔ ورنہ ظاہری جسم پیش نہیں کیا جاتا تو اس لحاظ سے شخصی توسل بھی توسل بالاعمال بن جاتا ہے۔

## ۱۳ غائب کو ملانا

دوسری صورت یہ ہے کہ انسان خدا کے نیک بندوں میں سے کسی ایک کی روح کو پکارے اور یوں کہے کہ اے میرے مالک رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری فریاد سی فرمائیے یا یوں کہے کہ اے میرے آقا فلاں شیخ میری مدد کیجئے۔ تو اسکی تشریح یوں ہے:-

کہ اگر اسکی مراد مجاز ہے یعنی جب وہ نیک بندے کو پکارتا ہے تو مجازی طریق پر پکارتا ہے۔ ورنہ وہ بھی جانتا ہے کہ خدا ہی دیتا ہے یا روکتا ہے۔ مگر عبد صالح درمیان میں وسیلہ ہے۔ کیونکہ وہ خدا کی بارگاہ میں مقرب ہے اور میں اس امر کے لائق نہیں کہ خدا سے کوئی راز کی بات کہوں۔ تو یہ صورت جائز ہوگی کیونکہ اعمال کی بنیاد نیت پر ہوتی ہے اور انسان کو نیت کا پھل ملتا ہے۔

خدا جیتے واللہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کا عطیہ تقسیم کرنے والے ہیں اور یہ دستور چلا آیا ہے کہ فقیر اور محتاج تقسیم کرنے والے کے پاس اپنی ضرورت پیش کیا کرتے ہیں۔ اور اصل سخی کی خدمت میں پیش نہیں کرتے۔

اسی بحث سے ایک اور مسئلہ بھی حل ہو جاتا ہے کہ غائب کو پکارنا صحیح ہے یا ناجائز؟ مخالفت کہتے ہیں کہ ناجائز ہے کہ غائب کو پکارا جائے اور جو شخص ایسا عقیدہ رکھتا ہے وہ خدا سے مشرک کرتا ہے۔ مگر ہم پوچھتے ہیں کہ غائب کے لفظ سے تمہارا کیا مطلب ہے؟ آیا وہ آدمی جو نظر سے غائب ہو یا دل سے غائب ہو؟ اگر ہم نظر سے غائب مرا لیتے ہو تو خدا بھی نظر سے غائب



ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں آیا ہے کہ، لَا تَدْرِيكَ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِيكَ الْاَبْصَارُ (پارہ ۷۔ سورۃ النعام۔ رکوع ۱۳) خدا کو نظر دریافت نہیں کر سکتی اور وہ بندوں کی نظر کو دریافت کر لیتا ہے۔ تو کسی مخالف کو بھی یہ کہنا جائز نہ ہو گا کہ وہ کہے ”اے اللہ“

اگر مخالفت کی مراد اس لفظ سے وہ غائب ہے جو دل سے پوشیدہ ہو تو خدا تعالیٰ تو ہر ایک کے قلب میں حاضر ہوتا ہے۔ اور کبھی غائب نہیں ہوتا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ہر ایک مومن کے قلب میں حاضر ہوتے ہیں اور غائب نہیں ہوتے۔ پس مومن بھی اسی کو پکارتا ہے جو انکے دل میں حاضر ہوتا ہے۔ اور دل کا حاضر نظر کے حاضر سے بالاتر اور مرغوب تر ہوتا ہے۔ تو کوئی ایسا غائب نہ رہا جس کو پکارنا نا جائز سمجھتے ہیں۔

اور مخالفین کا یہ کہنا کہ خدا قوس مستابہ ہے مگر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی کی پکار نہیں سنتے، قابل غور ہے۔ یہ مقام اس پر بحث کرنے کا نہیں اور مسئلہ سماع موتی میں اسکی تفصیل گزر بھی چکی ہے۔ اگر بالفرض تسلیم بھی کیا جاوے کہ حضور علیہ السلام کسی کی پکار نہیں سنتے۔ تو ہم پوچھتے ہیں کہ بتاؤ کہ یا رسول اللہ اثنی کا فقرہ خدا مستتابہ یا نہیں؟ یہ تو ناممکن ہے کہ خدا نہ سمے۔ تو حجب وہ مستتابہ کہ اس کا ایک بندہ اس کے حبیب اور برگزیدہ نبی علیہ السلام کو پکار رہا ہے اور اس کے اس رسول علیہ السلام سے فریاد کر رہا ہے جو مومنین پر کمال طور پر رحم دل ہے تو کیا خدا کا فضل یہ روانہ رکھے گا کہ اسکی مراد پوری کرے۔ پس اگر تم اسے مانتے ہو تو ہمارا مطلب بھی یہی ہے۔ اگر انکار کرتے ہو تو کوئی صحیح دلیل پیش کرو۔

دیکھو ایک حدیث میں آیا ہے جو امام بخاری نے اپنی کتاب میں درج کی ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ خدا نے کہا ہے کہ جو شخص میرے مقرب دوست سے عداوت کرے، میں اُسے لڑائی کا اعلان کر دوں گا۔ اور میری بارگاہ میں انسان کے لیے تقرب کا وسیلہ اس سے بڑھ کر نہیں کہ جو میرے فرائض میں ان کو وہ ادا کرے۔ اسی طرح میرے بندہ نوافل سے میرا مقرب بننا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اسے اپنا محبوب بنا لیتا ہوں تو پھر میں خود اسکی قوت سماعت بن جاتا ہوں تو وہ میرے ذریعہ سے سنتا ہے۔ اور اسکی بصارت بن جاتا ہوں تو وہ مجھ سے دیکھتا ہے۔ بتاؤ خدا کا بڑا مقرب اس کے حبیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر کون ہے۔ تو ثابت ہوا کہ حضور علیہ السلام خدا کی سماعت سے عتہ ہیں اور اسی کی بصارت سے دیکھتے ہیں۔ تو پکارنے والا خواہ قریب ہو یا بعید، آپ اسکی پکار کیوں نہیں سنیں گے؟ کیونکہ قریب و بعید کا فرق تو ہمارے متعلق ہوتا ہے۔ حضور علیہ السلام کے متعلق نہیں ہوتا۔ اس کا مشاہدہ وہ شخص کر سکتا ہے جسکی دونوں آنکھوں میں نور الہی کا سرمہ لگا ہوا ہو۔



## ۱۴۔ صالحین مقبروں کی زیارت

متناسع فیہ مسائل میں سے ایک مسئلہ قبور انبیاء و اولیاء کی زیارت کا بھی ہے۔ مخالفین کہتے ہیں کہ زیارت قبور کے لئے سفر کرنا بدعت ہے۔ اگرچہ وہ قبر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہی ہو، بعض کہتے ہیں وہ شرک ہے بہر حال ان کا آپس میں بڑا اختلاف ہے۔

مجھے معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کیسے تہم امت محمدیہ کو مشرک بنانے کی جرات کر لیتے ہیں۔ جو عہد رسالت سے لیکر اب تک چل آئی ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری امت گمراہی پر متفق نہ ہوگی۔ اور اس جماعت پر خدا کا ہاتھ ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ جو شخص کسی مومن کو یہ لفظ کہے ”اے کافر“ تو ان دونوں میں سے ایک ضرور کفر لیکر مرتکب ہے۔ اس سے قطع نظر کر کے کہ زیارت قبور کے متعلق کئی ایک احادیث وارد ہیں۔ اور اہل علم کے تحقیقی قول بھی موجود ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ کیا خدا نے یوں نہیں کہا کہ، **وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا حَيِّمًا** (پارہ ۵ - سورۃ النساء - رکوع ۹) ”اے نبی جن لوگوں نے اپنی جان پر ظلم کیا تھا، اگرچہ وہ آپ کے پاس آجائے اور اللہ سے معافی مانگے اور آپ خدا کے رسول بھی ان کے لئے مغفرت طلب کرتے تو وہ ضرور خدا کو مہربان اور توبہ قبول کرنے والا پاتے۔“

اب تم بتاؤ کیا اس آیت میں خدا نے رسول کی زندگی کی شرط

لگائی ہے؟ جیسا کہ تم اسکی تاویل کرتے ہو۔ یا یہ شرط لگائی ہے کہ آنے والا دور ہو یا نزدیک جیسا کہ تمہارا خیال ہے۔ تمہیں نہیں یہ آیت عام مفہوم رکھتی ہے۔ خواہ زندگی میں کوئی آئے یا آپ کی وفات کے بعد پھر وہ خواہ قریب ہو یا بعید۔

قدیم اور موجودہ اُمت کا اتفاق ہے کہ زیارتِ قبور جائز ہے۔ اور قبورِ صلحاء کی ترغیب دینا بھی جائز ہے۔ کیونکہ زیارتِ قبور میں میت کو بھی فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ (کیونکہ اس کے لئے دعائے مغفرت کی جاتی ہے اور قرأتِ قرآن کا ثواب دیا جاتا ہے جس کی روح کو) اور زائر کو بھی فائدہ ہوتا ہے کہ وہ ہوشیار ہو جاتا ہے۔ اور موت کی تیاری کرتا ہے۔ اور خدا کے نیک بندوں کی روحیں بارگاہِ الہی میں اسکی شفاعت کرتی ہیں۔

مگر جو کچھ جاہل و ہاں جا کر کہتے ہیں مثلاً قبر کو سجدہ کرنا یا اس کا طواف کرنا۔ تو وہ بہر حال حرام ہوتا ہے۔ اور اہل علم کا فرض ہے کہ ان کو آدابِ زیارت کی تعلیم دیں اور اصل زیارت سے ممانعت نہ کریں قیامت نہیں دیکھتے کہ حجبِ نابینا مسجد میں اگر غارِ پر ہوتا ہے اور قبیلہ رُفح نہیں ہوتا، تو دیکھنے والے کا کیا یہ فرض بیوتا ہے کہ اسے بتائے اور اس کا رُفح قبلہ کی طرف کرے یا یہ فرض ہو گا کہ وہاں اسے نماز سے روک دیں؟

مذہب کی یہ دلیل کہ حدیث میں ہے کہ تین مسجدوں کے بغیر کسی اور مقام کی طرف سواری پر سفر نہ کیا جائے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث مساجد سے مخصوص ہے۔ جیسا کہ اس حدیث کی بعض روایات میں مسجد کا صاف لفظ موجود ہے۔ چنانچہ آپؐ نے فرمایا ہے کہ کسی مسجد کی طرف شد حال یعنی سفر نہ کیا جائے سوائے تین مساجد کے اور تجارت اور جہاد وغیرہ کی طرف سفر کرنا



خود شرع شریف میں فرمایا گیا ہے۔ جس کا انکار بہت دھرم بیوقوف کے سوا کوئی نہیں کر سکتا۔

دیکھو خدا کا حکم ہے کہ مقام ابراہیم علیہ السلام کو اپنی تمار کی جگہ بناؤ۔ اور مقام ابراہیمؑ صالحین کے آثار میں سے ہے۔ تو جب ایسے آثار صلوات میں نماز ادا کرنے کا حکم ہے تو ان کے مزارات کے متعلق تمہارا ممانعت کے لئے کیا خیال ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ ان کے مزارات شریف نمازی کے قبلہ کی طرف نہ ہوں۔

# ۱۵۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شفاعت کرنا

متنازع فیہ مسائل میں سے ایک مسئلہ شفاعت کا بھی ہے۔ مخالفین کہتے ہیں کہ شفاعت ناممکن ہے۔ کیونکہ شفاعت اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ شافع وجیبہ ہو۔ یا خدا کا محبوب ہو۔ اور یہ دونوں امر خدا کے یہاں محال ہیں۔ تیسری صورت شفاعت بالاذن کی ہے۔ اور یہ گونئی شفاعت کے برابر ہے۔ کیونکہ یہ نہ تو کبیرہ گناہ کرنے والوں کیلئے ہوگی نہ صغیرہ گناہ پر اصرار کرنے والوں کے لئے ہوگی۔ اور چند صغیرہ گناہ والوں پر خدا خود ہی رحم کر دے گا جبکہ توبہ اور ندامت ان کے ساتھ ہوگی۔ تو خدا بھی کسی سبب کے بغیر ان کو معاف نہیں کرے گا۔ لیکن جسے چاہے معاف کر دے گا اور جسے چاہے گناہ شفاعت کی اجازت دیگا۔ (ان کا عقیدہ یہاں ختم ہوا)

مگر میں پہلے تو یہ کہتا ہوں کہ وجیبہ اور محبوب کی شفاعت محال نہیں ہے۔ خدا کے نزدیک بلکہ ضروری ہے۔ (نہ اس لئے کہ خدا شافع سے ڈرے گا اور نہ اسلئے کہ خدا اپنے محبوب کو ناراض کرنے سے درومند ہوگا) بلکہ اس پیشے کہ وہ اپنے محبوب اور پسندیدہ خاص بندوں پر خاص فضل و کرم کرے گا۔

دوم، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وجاہت بارگاہ الہی میں از روئے قرآن ثابت ہے اور آپ کی محبوبیت بھی ثابت ہے۔ ارشاد ہے کہ، **النَّبِيُّ مُحَمَّدٌ عَبْدُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ** (پارہ ۳ - سورة المدثر - رکوع ۵) ”وہ عیسیٰ علیہ السلام دنیا و آخرت میں وجیبہ ہیں اور مقربین بارگاہ الہی میں سے ہیں۔“ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق ارشاد ہے کہ، **فَبَرَّاهُ اللَّهُ مَعَ قَوْمٍ**





اب رہی شفاعت کی تیسری قسم تو اس کے متعلق ہم یوں کہتے ہیں  
 کہ شفاعت کا مطلب یہ ہے کہ کسی کیلئے استغفار اور طلب مغفرت کی  
 جائے اور یہ ثابت ہے کہ خدا تعالیٰ نے خود اپنے انبیاء علیہم السلام کو حکم دیا  
 ہوا ہے کہ اپنی اپنی امت کیلئے خدا سے مغفرت طلب کریں۔ چنانچہ حسب الحکم  
 خداوندی حضرت ابراہیم علیہ السلام دست بدعا ہو کر فرماتے ہیں کہ،  
 رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ۝  
 (پارہ ۱۳ - سورۃ ابراہیم - رکوع ۶) "اے ہمارے رب مجھ، میرے  
 والدین کو بخش اور مومنین کو بخش، جس دن کہ حساب کا محکمہ قائم ہوگا۔"  
 جناب موسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ، اَنْتَ وَلِيْتَنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا  
 وَ اَنْتَ خَيْرُ الْغَافِرِيْنَ (پارہ ۹ - سورۃ اعراف - رکوع ۱۹)  
 "و یا اللہ تو ہی ہمارا سرپرست ہے ہماری مغفرت کر اور ہم پر رحم کر  
 اور تو تمام مغفرت کرنے والوں سے بہتر ہے۔" اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام  
 فرماتے کہ، اِنْ تَعَذَّبْهُمْ فَاتَّهُمْ عِيَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ  
 فَانْتَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ (پارہ ۷ - سورۃ مائدہ - رکوع ۶)  
 "یا اللہ اگر میری امت کو تو عذاب کرے تو کوئی چارہ نہیں، کیونکہ وہ تیرے بت رہے  
 ہیں اور اگر تو ان کو معاف کر دے تو یہ تیری شان کے ثنائیان ہے کیونکہ تو عزت و  
 حکمت کا مالک ہے۔" دیکھو آپ نے کن نرم لفظوں میں مغفرت طلب کی ہے۔  
 اور خدا تعالیٰ نے اپنے حبیب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتا دیا  
 کیا ہے کہ، وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَهُمْ (پارہ ۱۱)  
 سورۃ توبہ، رکوع ۱۳ "اپنی امت پر نماز بجا رہ اور دعا کے خیر کرو، کیونکہ  
 آپ کو دعاؤں خیر ان کیلئے باعث تسکین ہے۔" پس یہی حکم امر اور ذن بالشفاعۃ



ہے۔ پھر ارشاد ہے کہ، وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا تَجِيماً ۝ (پارہ ۵ - سورۃ النساء - رکوع ۹) جب انہوں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے، پس اگر آپ کے پاس آجاتے، اور خدا سے معافی مانگتے اور آپ بھی بحیثیت رسول اللہ ہونے کے ان کے واسطے معافی مانگتے تو وہ ضرور دیکھتے کہ خدا تعالیٰ بڑا مہربان اور توبہ قبول کرنے والا ہے۔ پس انبیاء علیہم السلام کے استغفار کا یہی مطلب ہے کہ وہ اپنی اُمت کے لئے شفاعت کریں۔ چنانچہ خدا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد کیا ہے کہ، وَاسْتَغْفِرْ لِذَنبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَسْخَاتِكُمْ فَمَثَلُكُمْ وَمَثَلُكُمْ (پارہ ۲۶ - سورۃ محمد - رکوع ۲) ”اپنی کوتاہیوں کی پردہ پوشی طلب کرو اور زن و مرد اہل ایمان کے لئے مغفرت طلب کرو۔ کیونکہ خدا کو تمہارے حرکات و سکنات سے خوب واقف ہے۔ پس امر بالا استغفار ہی اذن بالشفاعت ہے اور اذن بھی بڑے زور کا ہے۔ کیونکہ امر کرنا اذن دینے سے زیادہ زور دار ہوتا ہے صرف یہی نہیں بلکہ یہ بھی دیکھو کہ خدا نے ان مسلمانوں کی تعریف بھی کی ہے کہ اپنے مسلمان بھائیوں کی مغفرت طلب کرتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ، وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ (پارہ ۲۸ - سورۃ حشر - رکوع ۱) ”جو اہل ایمان بعد میں آئے وہ کہتے ہیں کہ یا اللہ ہمیں بخش اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی بخش دے جو ہم پہلے ایمان لائے ہیں“ پھر ارشاد ہے کہ، وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ (پارہ ۳۰ - سورۃ الضحیٰ - رکوع ۱) ”وہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا آپ کو اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں

گئے اور خدا کو وعدہ سچا ہے۔ " اس میں خلاف وعدہ کی گنجائش نہیں کیونکہ اس نے خود کہا ہے کہ، وَلَکِنْ یُخْلِیْتُ اللّٰهُ وَعْدَکَ (پارہ ۱۵ - سورۃ الحج - رکوع ۶) وہ اللہ اپنے رسولوں سے وعدہ خلافتی نہیں کرتا۔ اسی وعدہ پر مجروحہ کرتے ہوئے حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے (فعل ماضی کے لفظوں میں) کہ مجھے شفاعت کا طریقہ دیا جا چکا ہے۔

ہم پھر پوچھتے ہیں کہ سب اہل ایمان کیا تم اپنی نمازیں یہ دعا نہیں کیا کرتے کہ یا اللہ مجھے بخش، میرے والدین کو بخش اور قیامت کے دن مسلمانوں کو بھی بخش۔ اب بتاؤ تم کو دعائے مغفرت کیلئے کس نے اجازت دی ہے کہ تم والدین اور مسلمانوں کیلئے دعائے مغفرت کرتے ہو؟ یہ بھی بتاؤ کہ کیا یہی طلب مغفرت شفاعت نہیں ہے؟ پس اگر تم یوں کہو کہ خدا نے ہمیں اجازت بخشی ہے تو ہم پوچھیں گے کہ یہ ہو سکتا ہے کہ تم کو تو شفاعت کی اجازت ہو تاکہ تم اہل ایمان کے لئے طلب مغفرت کرو اور خدا نے اپنے حبیب اور برگزیدہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اجازت نہ بخشی؟ اگر تمہارے پاس کچھ صداقت ہے تو اس دعویٰ کی کوئی دلیل پیش کرو۔

اب رہا ان کا یہ قول کہ اہل قبائر کیلئے شفاعت نہ ہوگی اور نہ ان کیلئے جو گناہ صغیرہ پر مداومت کرتے ہیں۔ پس ہم کہتے ہیں کہ یہ قول خدا پر ہمتان اور زبردستی کا حکم ہے۔ کیا خدا نے یوں نہیں کہا کہ بیشک خدا تمام گناہ بخش دیتا ہے ہاں خدا تعالیٰ یہ گناہ نہیں بخشے گا کہ اس کا کسی کو شریک بنایا جائے اور اس کے بغیر بے چارے جو گناہ بھی ہوں سب بخش دے گا۔ اور شفاعت کبریٰ قیامت کے دن وہی ہوگی جو تمام مخلوق کی ہوگی۔ اسی کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے کہ، اِنِّیْ یُبْعَثُکَ ذٰلِکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا (پارہ ۱۵)



سورۃ بنی اسرائیل . رکوع ۹) ۱۰۔ اے نبی خدا تعالیٰ عنقریب آپ کو مقام محمود پر پہنچا دے گا، اور یہ شفاعت کبریٰ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہی حصہ میں ہے۔ اور آپ سے مختص ہے۔

یہی مخالفین کا یہ کلام کہ اذن الہی کے بغیر کوئی شفاعت نہیں کریگا اور ان کا اس آیت سے دلیل پکڑنا کہ، مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ ( پارہ ۳ - سورۃ البقرہ - رکوع ۲۴ ) ”کون وہ ہے کہ بلا اجازت خداوندی اللہ کے پاس کسی کی سفارش کرے۔“ یہ دونو امر صحیح ہیں اور انہیں ذرا بھرتک نہیں۔ مگر یہ یاد رہے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذن بالشفاعۃ ہو چکا ہے۔ بلکہ اس سے بڑھ کر امر بالشفاعۃ بھی ناقذ ہو چکا ہے۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے کہ، وَصَلَّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَهُمْ ( پارہ ۱۱ سورۃ قوہ - رکوع ۱۳ ) ”آپ ان کے لئے دعائے خیر کریں کیونکہ آپ کی دعائے خیر ان کے واسطے تسکین ہے“ چنانچہ پہلے گورچکا ہے۔ یہ بھی ارشاد ہے کہ، وَاسْتَغْفِرْ لَذَنبِكَ وَ

لِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ( پارہ ۲۶ - سورۃ محمد - رکوع ۲۴ ) ”ذن و مرد اہل ایمان کیلئے آپ دعائے مغفرت کریں۔“ اسی وجہ سے آپ نے فرمایا ہے کہ مجھے شفاعت کبریٰ کا عطیہ دیا جا چکا ہے اور اس حدیث کے باقی اجزایہ ہیں کہ مجھے پانچ عیسیٰ عطا ہوئے ہیں اور مجھ سے پہلے یہ کسی کو نہیں دیئے گئے۔ اول میرے رعب سے میری امداد کی گئی ہے۔ دوم یہ کہ تمام سطح زمین میرے لئے وضو اور نماز کی جگہ مقرر کر دی گئی ہے۔ سوم خاص مجھے غنیمت کا مال حلال کر دیا گیا ہے ورنہ مجھ سے پہلے کسی نبی کو اسکا استعمال جائز نہ تھا۔ چہارم مجھے عام شفاعت کا حق دیا گیا ہے۔ پنجم یہ کہ میں تمام مخلوقات کی طرف رسول بنا کر بھیجا

گیا ہوں۔ (یہ حدیث بخاری و مسلم میں ہے)

مخالفین کا یہ قول کہ خدا تعالیٰ بلا وجہ معافی نہیں دے سکتا، بالکل غلط ہے۔ اور ہم کہتے ہیں کہ پہلے تو یہ قول اُن عیسائیوں کے کلام سے بھی بڑھ کر معیوب ہے۔ جنہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام سے کہا تھا کہ کیا تیرا رب آسمان سے ہمارے لئے کھانا اُتار سکتا ہے؟ کیونکہ عیسائیوں نے خدا کی قدرت میں شک کیا تھا۔ ایسے انہوں نے موالیہ فقرہ پیش کیا۔ اور ان لوگوں نے یقین کر لیا ہے کہ خدا کو قدرت ہی نہیں کہ اپنا حق بھی بلا وجہ معاف کر دے۔ دوم یہ کہ بندہ اپنا حق بلا وجہ معاف کر سکتا ہے بلکہ صرف کرم اور مہربانی سے معاف کر سکتا ہے اور ان کے نزدیک خدا کو یہ طاقت نہیں۔ حالانکہ وہ جو چاہے کرتا ہے۔ اس سے کوئی چون و چرا نہیں۔ دیکھو یہ اُن کی تو حید کا نتیجہ ہے۔ اور اپنے رب کی تعظیم کا ثمرہ ہے۔ نہیں نہیں، بلکہ وہ گمراہ ہو گئے۔ یا اللہ تو ہمارے دل کو اعلیٰ سے نہ پھیر، بعد اسکے کہ تو نے ہم کو سیدھی راہ دکھائی ہے۔



## ۱۶. مزارات اولیاء اللہ پر عرس

مختلف فیہ مسائل میں سے عرس مشائخ اور میلاد نبویؐ کا مسئلہ بھی ہے۔ جو مقررہ اوقات میں منائے جاتے ہیں۔ مخالفین کہتے ہیں یہ حرام ہیں۔ بوجہ یقین وقت کے اور مجالس میلاد فعلیہ سے مشابہ ہیں۔

مگر ہم کہتے ہیں کہ اگر اصل حقیقت عرس کو ممنوع کہیں یعنی مساکین اور حاجتمندوں کو کھانا کھلانا تاکہ ایصالِ ثواب ہو۔ تو یہ کج بخش ہوگی اور شرع کا خلاف ہوگا۔ کیونکہ خدا خود حکم دیتا ہے کہ، وَ اطْعِمُوا الْبَائِیْعَ وَ

الْمُعْتَرَّ (پارہ ۱۷۔ سورۃ حج۔ رکوع ۵) ”سوالی اور غیر سوالی حاجتمندوں کو کھانا کھلاؤ“ یہ بھی فرمایا کہ، لَیَّا یُہِیَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اَلْفِقُوْا اِمَّا دَرَفْتُکُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یُؤْمَرُ لَا یَبِیْعُ فِیْہِ وَلَا حِلَّةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ (پارہ ۳۔ سورۃ البقرہ۔ رکوع ۲۳)

”جو مال ہم نے تمکو دیا ہے۔ اس سے خرچ کرو اللہ کی راہ میں پیشتر اسکے کہ وہ دن آئے جس میں نہ خریدو نہ فروخت ہوگی نہ دوستانہ کام آئے گا۔ اور نہ تمہارے کسی دوست کی سفارش کام آئے گی۔ یہ بھی فرمایا کہ، وَمَا اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرِ فَاِنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُہُ

(پارہ ۳۔ سورۃ بقرہ۔ رکوع ۲۷) ”جو کچھ تم اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہو یا نذر دیتے ہو، خدا اسے جانتا ہے۔ یہ بھی ارشاد ہے کہ، وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰۃَ وَ اَلُوْا الزَّکٰوٰۃَ وَ اَقْرِضُوا اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا ۭ وَ مَا تَقْدِرُوْا لِاَنْفُسِکُمْ مِّنْ خَیْرٍ یَّجِدُوْہُ عِنْدَ اللّٰہِ ۭ هُوَ خَیْرٌ ۭ وَاَعْظَمُ اَجْرًا (پارہ ۲۹۔ سورۃ المزمل۔ رکوع ۲) نماز پلانا فہ ادا

کرو اور زکوٰۃ دیا کرو، اور اللہ کو قربان منہ دو اور جو خیرات تم اپنے لئے پیش کی ہو  
 گئے اُسے خدا کے یہاں بہتر پاؤ گے اور اس کا ثواب بہت پاؤ گے، یہ بھی  
 فرمایا کہ، وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَى حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا  
 أَسِيرًا (پارہ ۲۹ - سورۃ الدھر - رکوع ۱) ”مومن کھانا  
 کھلاتے ہیں مسکینوں اور یتیموں اور قیدیوں کو اگرچہ ان کو خود اس کھانے  
 کی خواہش ہو۔“

اگر مخلصین تعین وقت کی وجہ سے عرس کو حرام کہتے ہیں تو غلط  
 ہے۔ کیونکہ تعین وقت امور مباح میں مضرت نہیں ہوتی۔ ارے تم یہ نہیں  
 دیکھتے کہ حضور علیہ السلام نے یوم عاشوراء کے روزہ کا اپنی اُمت کو حکم دیا تھا اور  
 شوال کے چھ روزوں کا بھی حکم دیا تھا۔ اور رات کو نماز تہجد کا حکم دیا تھا۔ اور  
 صلوٰۃ اشراق کا اور صلوٰۃ ضحیٰ کا اور ان سب کے اوقات متعین ہیں۔ اور  
 حکم دیا کہ پیدائش کے بعد ساتویں روز بچے کا عقیقہ دیا جائے وغیرہ وغیرہ  
 ان سب میں آپؐ نے وقت مقرر کر دیئے ہیں اور تعین وقت عرس  
 میں اصل مقصود یہ ہوتا ہے کہ لوگ بلا تکلف جمع ہو جائیں۔ اس کے سوا  
 کوئی اور مقصد نہیں ہوتا۔

اگر وہ اس لئے منع کرتے ہیں کہ میت کو ثواب نہیں پہنچتا تو یہ بالکل  
 غلط ہے۔ نہ اسے عقل مانتی ہے نہ کوئی نص تسلیم کرتی ہے۔ اور ہمارے اس  
 مقصد (ایصالِ ثواب) کیلئے ام سعدؓ کے کنوئیں کی حدیث کافی ہے کیونکہ  
 غیر کے عمل کا ثواب پہنچانا بحالت حیات و موت دونوں صورتوں میں جائز  
 ہوتا ہے۔ بلکہ اس کا حکم ہو چکا ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ قدرت نہ ہو تو غیر سے  
 حج کرانے میں شرعی حکم وارد ہے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام حجۃ الوداع  
 میں مقام مزدلفہ سے واپس تشریف لارہے تھے تو ایک عورت نے یہی سوال کیا تھا۔



## ۱۷ میلاد النبی

مجالس میلاد اگرچہ موجودہ شکل میں خیر القرون کے وقت موجود نہ تھیں۔ مگر اسمیں شک نہیں کہ یہ فعل مستحسن ہے اور تمام اہل اسلام کا مشرق و مغرب میں معمول یہ ہے سوائے فرقہ نجدیہ غیر مقلدین کے اور یہ اصول ہے کہ جس امر مباح کو مسلمان مستحسن سمجھیں وہ خدا کے نزدیک بھی مستحسن قرار پاتا ہے۔ اور مجالس میلاد میں بھی ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح ذکر کجائی ہے یا آپ کی مدح میں شعر پڑھے جاتے ہیں اور مدحیہ اشعار کا پڑھنا سنت صحابہؓ ہے بلکہ سنت نبویہ ہے۔ کیونکہ روایات سے ثابت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت حسان بن ثابت سے اپنے اشعار مدحیہ سناتے تھے اور کعب بن زہیر اور سواد بن قارب وغیرہ سے بھی آپ نے اشعار مدحیہ سُننے تھے۔ اس لئے جو شخص یہ کہتا ہے کہ ذکر میلاد اور مدحیہ اشعار کا پڑھنا ممنوع یا بُرا ہے اور فعل یہود ہے وہ شخص خود بُرا ہے اور رائدہ درگاہ نبوی ہے۔

اب مجھے معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کس وجہ سے ذکر میلاد کو منع کرتے ہیں اور مجالس میلاد کے علاوہ دیگر نوپیدا امور کو کیوں منع نہیں کرتے مثلاً مسافر خالوں کا بنانا یا مساجد کا سجانا، سیل بوتے سے یا قرآن مجید کو نہری حروف سے لکھنا یا علوم عقلیہ مروجہ کا تعلیم دینا یا عربی علوم کی اعظم مثلاً صرف نحو، فلسفہ، ریاضی وغیرہ یا زمانہ حال کے مروجہ لباس کا استعمال

یا مختلف قسم کے کھانے تناول کرنا جب اصل میں یہ سب مباح ہیں وہ ان پر کوئی اعتراض نہیں کرتے مگر ذکر میلاد جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کا تذکرہ ہوتا ہے یا معجزات اور خرق عادات بیان ہوتے ہیں۔ جو آپ کی ولادت کے وقت رونما ہوئے تھے تو اسے حرام یا بدعت بتاتے ہیں شاید ممانعت کی وجہ صرف یہی معلوم ہوگی کہ ہم حضور علیہ السلام سے اظہار محبت کرتے ہیں اور بس خوب!۔



# ۱۸ نماز میں حضور علیہ السلام کا خیال آنا

ان مسائل میں سے حضور علیہ السلام کے تصور کا بھی مسئلہ ہے۔ جو نماز میں بلا اختیار آجاتا ہے۔ مخالفین کے امام کا قول ہے کہ نماز میں حضور علیہ السلام کا خیال آجانا نمازی کے اپنے جانوروں کے خیال سے بھی بدتر ہے۔ اور اس مقام پر اس نے ایک بدترین جانور کا ذکر کیا ہے۔ مگر میں جرأت نہیں کر سکتا کہ اس بُرے جانور کا نام نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسم مبارک کے مقابلہ پر ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے ذکر کروں۔ اور ان کا یہ عقیدہ بدترین عقائد میں سے ہے۔ ایسے عقائد سے خدا بچائے۔ تعجب ہے کہ پھر یہ لوگ حضور علیہ السلام کو فخر عالم بھی کہتے ہیں۔ مگر تم سوچو کہ جب فخر عالم کا ان کے نزدیک یہ حال ہے تو دوسرے انبیاء و صالحین کا کیا حال ہوگا۔ جو آپ سے بارگاہ الہی میں کم درجہ پر مقرب ہیں۔ وہ بتائیں کہ جب وہ نماز میں واتخذ اللہ ابراہیم خلیلاً پڑھتے ہیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تصور کو کیا سمجھتے ہیں۔ یا جب کلمہ اللہ موسیٰ علیہ السلام پڑھتے ہیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تصور کو کس نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اور جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہ آیت پڑھتے ہیں کہ کَانَ وَجِہَا فِی الدُّنْیَا وَ الْآخِرَةِ وَ مِنْ الْمَقْرُبِینَ تو آپ کے تصور کو کس قدر وقعت میں جاتے ہیں۔ ان پر ایک مصیبت یہ بھی ہے کہ سارا قرآن تو حضور علیہ السلام کی تعریف سے پُر ہے۔ اور آپ کی تعریفیں کرتا ہے۔ یا آپ کا قرب الہی اور محبت الہی ظاہر کرتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَ أَطِيعُوا الرَّسُولَ وَ أُولِی الْأَمْرِ مِنْكُمْ۔ مَنْ یُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ۔

(پارہ ۵ - سورۃ النساء - رکوع ۸ اویلا) "وتم اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، جو رسول کی اطاعت کرتا ہے وہی خدا کی اطاعت کرتا ہے۔" قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ (پارہ ۲ - سورۃ آل عمران - رکوع ۴) "و آپ کہیں کہ اگر تم خدا سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میری تابعداری کرو۔" اور یہ بھی فرمایا کہ، يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ اَنْتَا اَذْ نُنَافِئُ شَاهِدٌ وَمُشِيرٌ وَنَذِيرٌ اِهْدِ وَادِّعِ اِلَى اللَّهِ يَهْدِ اِلَيْهِ وَسِرَاجًا مُّنِيرًا (پارہ ۲۲ - سورۃ احزاب - رکوع ۶) "و اے نبی ہم نے آپ کو اُمت کا نگرانِ حال اور مبشر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے اور خدا کی طرف بلائیوالا اور روشن چراغ بنا کر مبعوث کیا ہے۔" یہ بھی فرمایا کہ، لَا تَجْعَلُوْا دُمَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُمَآءِ بَعْضِكُمْ بِبَعْضًا (پارہ ۱۸ - سورۃ النور - رکوع ۹) "تم رسول علیہ السلام کا بلاوا اپنے باہمی ایک دوسرے کے بلاوے کی مانند نہ بناؤ۔" یہ بھی فرمایا کہ، لِيَتَّقُوْا مِنْهُ اِيَّا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَتَعَزَّوْهُ وَتُقُوْا قُدُوْهُ (پارہ ۲۶ - سورۃ الفتح - رکوع ۱) "تم رسول کی عزت و توقیر کرو۔" قراب و ہابی بپارہ کیا کرے اور کیسے اُس کے تصور کو رد کر سکتا ہے۔ سخت افسوس ہے کہ خدا تو تعریف کرے اور قوم آپ کی یہ عزت کرتی ہے۔ کہ نماز میں آپ کے تصور کو بھی ممنوع قرار دیتی ہے اور جانوروں کے تصور سے بھی بدتر جانتی ہے۔ پھر اس قوم نے اپنا نام کیا رکھا ہے؟ اہل حدیث! اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔

جب حضور علیہ السلام کے خلیفہ الرشید حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وصال ہوا تھا تو مشرک کہتے تھے کہ آپ ابتر ہو گئے ہیں۔ تو خدا تعالیٰ نے جواب



دیکھا، اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاُنْبَرُ ۝ ( پارہ ۲۰ - سورۃ الکوث - رکوع ۱ ) دو آپ ابتر نہیں بلکہ آپ کے دشمن ابتر ہیں۔ " ایک دفعہ آپ نے کچھ صحابہ پر تبلیغ اسلام کے لئے قریش کو بلایا تھا۔ تو ابولہب نے اخیر وعظ پر کہا تھا کہ کیا اسی کام کے لئے آپ نے ہمیں دعوت دی تھی۔ خدا کرے تم جلد تباہ ہو جاؤ۔ اس پر خدا ناراض ہوا اور اپنے حبیب کی طرف سے جواب دیا کہ ابولہب کے دونوں ہاتھ تباہ ہوں گے۔ اور وہ خود بھی تباہ ہوگا۔ اب نصف پسند طبائع سے مجھے امید ہے کہ وہ خود قول و ماہرہ اور قول ابولہب کا باہمی موازنہ کریں گے۔ ( قول و ماہرہ یہ ہے کہ غازی میں حضور علیہ السلام کا تصور فلاں بدترین جانور کے تصور سے بھی بُرا ہے۔ اور ابولہب کا قول یہ ہے کہ اے نبیؐ تو تباہ ہو جائے ) اور بتائیں گے کہ کس کا قول زیادہ بُرا اور بدنام کرنے والا ہے، اور کس کا نہیں؟ ابولہب کو تو یہ سزا مل چکی کہ تَبَّالْکَ کہہ کر جہنمی ہو گیا۔ مگر ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جنہوں نے ایسے گندے لفظ کہے ہیں۔ افسوس وحی بند ہو چکی ہے ورنہ ابھی فیصلہ ہو جاتا۔ اب ان کا منہ کون توڑ سکتا ہے؟

یہ لوگ یوں بھی کہتے ہیں کہ غازی کو شہد میں یوں کہنا جائز نہیں کہ اے نبیؐ آپ پر سلام ہو اور آپ پر خدا کی رحمت اور برکت نازل ہو۔ بلکہ یوں غائب سمجھ کر کہے کہ ہمارے نبیؐ پر سلام ہو۔ تاکہ حاضری اور خطاب کے لفظ سے بچ جاتے۔ کیونکہ اس میں یہ اشارہ ہے کہ آپ کی روح مبارک حاضری ہو جاتی ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ جب غائب کا لفظ اختیار کرنے سے آپ کی حاضری نہ ہوگی تو بتاؤ کہ جب غازی السلام علی النبیؐ کہے گا اور غائبانہ لفظ سے آپ پر سلام و درود بھیجے گا تو آپ کا تصور پیر آئے گا؟ تعظیم و توقیر کی صورت

میں یا معاذ اللہ امانت و تحفیر کی شکل میں۔ پس اگر وہ تصور عزت و توقیر کے ساتھ ہو گا تو وہابیوں کا اصول ٹوٹ جائے گا کہ جو شروع مسئلہ میں مقرر کیا گیا ہے کہ نبی علیہ السلام کا تصور مفید صلوٰۃ ہے اور گدھے کے تصور سے نماز نہیں ٹوٹتی اور اگر معاذ اللہ تحفیر کے ساتھ اسے تصور کریں تو اسلام کی بنیاد ہی کو اکھاڑیں گے۔ خدا تعالیٰ مناسب راستہ کی ہمیں ہدایت کرے۔

---



۱۹ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسم مبارک کیساتھ

تعلیمی لفظ ”سیدنا“ بڑھانا

ان مسائل میں سے یہ مسئلہ بھی ہے کہ آیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام سے پہلے سیدنا کا لفظ بڑھانا جائز ہے یا نہیں؟ مخالفین کہتے ہیں کہ یہ زیادتی بدعت ہے۔ خیر القرون کے وقت نہ تھی۔ مگر میں کہتا ہوں کہ زمانہ تبدیلی سے محاورات بھی تبدیل ہو جاتے ہیں۔ تم خود بتاؤ کہ کیا مولانا اور شیخ فناد حضرتنا وغیرہ کے لفظ خیر القرون میں مستعمل تھے؟ حالانکہ موجودہ وقت میں جس ذمی علم کو صرف نام سے پکارا جائے اور کوئی تعلیمی لفظ نہ بڑھایا جائے تو آنجناب ناک چڑھ لیتے ہیں اور اسے اپنی ہتک عزت جانتے ہیں۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے بڑھ کر عزت و توقیر کے حقدار ہیں۔

میا خدا تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کے حق میں یوں نہیں فرمایا کہ آپ سید پاکدامن تھے اور نبی صلح تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں بنی آدم کا سید ہوں۔ اور سید کا لفظ مولیٰ کے معنی میں ہے بلکہ مولیٰ کا لفظ سید سے بھی اعلیٰ ہے۔ کیونکہ سید کا لفظ خدا پر استعمال نہیں ہوتا۔ اور مولیٰ کا لفظ خدا پر بھی استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ، يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ أَوْفَىٰ بِالَّذِينَ آمَنُوا (پارہ ۲۶ - سورۃ محمد - رکوع ۱) ”اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے مالک اور مولیٰ ہیں جو ایمان لائے ہیں۔“ اور یہ بھی ارشاد ہے کہ، نِعْمَ الْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ النَّصِیُّ (پارہ ۹ - سورۃ الانفال - رکوع ۵) ”خدا تعالیٰ بہترین مالک اور بہترین مددگار ہیں۔“

## ۲۰. خدا تعالیٰ سے کسی مخلوق کو شریک کرنا

ان مسائل میں سے یہ مسئلہ بھی ہے۔ کہ آیا فعل خداوندی میں غیر اللہ کو شریک کرنا جائز ہے یا نہیں؟ مثلاً کسی داتے کو یوں کہنا کہ یہ اللہ کی اور تمہاری مہربانی ہے۔ یا یوں کہنا کہ یہ چیز مجھے خدا اور خدا کے رسول نے دی ہے تو جواب یوں ہے کہ ایسے محاورے میں مجازی طریق استعمال ہوتا ہے اور حقیقی بھی تو فقرہ مذکور چھوٹا معنی ہوا کہ اصلی طور پر تو خدا نے دیا ہے۔ مگر بظاہر تم نے دیا ہے۔ اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوئی سوال پوچھتے تھے اور صحابی جواب دینا گستاخی سمجھتے تھے تو یوں کہتے تھے کہ اس کا جواب خدا اور خدا کا رسول بہتر جانتا ہے۔ اور اپنے اس جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خدا تعالیٰ کے علم میں شریک کر دیتے تھے۔ اور اس جوابی فقرہ کو کسی نے برا نہیں منایا۔ دیکھئے ارشاد ہے کہ، يَزِيدُ مِّنْ فَضْلِ اللَّهِ وَلَدَّرَسُوهُ (پارہ ۱۰ - سورة التوبة - رکوع ۱) اور اللہ اور اللہ کے رسول کی مشرکین سے بیزاری ہے، یہ بھی فرمایا کہ، وَاللَّهُمَّ دَرَسُوهُ (پارہ ۱۰ - سورة توبہ - رکوع ۸) اور ان کو یہ بتانا تھا کہ خدا اور خدا کا رسول کو راضی کرتے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ، وَمَنْ يَطْعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ قَازَنَ فَزْزًا عَظِيمًا (پارہ ۲۲ - سورة احزاب - رکوع ۹) اور جو اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت کرتا ہے۔ وہ بڑی کامیابی پائے گا۔ یہ بھی ارشاد ہے کہ، وَمَا نَقُصُّ إِلَّا أَنْ أَغْنَاهُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ مِنْ فَضْلِهِ (پارہ ۱۰ - سورة توبہ - رکوع ۱۰) "مخالفین کی ایسی بڑا منلتے ہیں کہ اللہ نے اور اللہ کے رسول نے اہل مدینہ اور مہاجرین کو غنی کر دیا ہے۔" اس قسم کی آیات اور بھی بہت ہیں۔ مگر خلاصہ جواب یہ ہے کہ ایسے اشتراکی لفظوں سے عوام کو پھنسا چاہیے۔ کیونکہ وہ حقیقت و مجاز میں امتیاز نہیں کرتے۔



## ۲۱، معاذ اللہ، خدا کا جھوٹ بولنا

ان مسائل میں سے ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ معاذ اللہ کیا خدا جھوٹ بول سکتا ہے یا نہیں؟ مخالف کہتے ہیں کہ غذابی وعدہ میں جھوٹ بول سکتا ہے۔ اور اس مسئلہ کا نام کبجختوں نے امکان کذب رکھا ہوا ہے۔

ہم جواب دیتے ہیں کہ ذات خداوندی کی طرف جھوٹ کو منسوب کرنا ہی ناجائز ہے اور وعدہ کر کے سزا نہ دینا اسے وعدہ خلافی نہیں کہتے بلکہ وہ اصول اختیار ہی کی تبدیلی ہے۔ اور اس خود اختیاری تبدیلی کو کوئی جھوٹ نہیں کہتا۔ کیونکہ جھوٹ ایک لعنت ہے جس سے انسان بھی نفرت کرتے ہیں۔ تو بلا خدا تعالیٰ اس سے نفرت کیوں نہ کریں گے؟ پس قیامت کے دن عذاب کے بجائے مغفرت کا استعمال کرنا خدا کا رحم اور مہربانی ہوگی۔ اسے کذب نہیں کہنا جائے گا۔ ارشاد ہے کہ، **يَلْ كَذِبُوا بِمَا لَمْ يُحْيِطُوا بِعِلْمِهِ**۔

(پارہ ۱۱ - سورۃ یونس - رکوع ۴) "کافر اس قرآن کی تکذیب کرتے ہیں جسے وہ خود پورے طور پر نہیں سمجھ سکے۔" پھر ارشاد ہے کہ، **وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ** (پارہ ۲ - سورۃ آل عمران -

رکوع ۹) "وہ جانتے ہیں اور جان بوجھ کر خدا پر افترا کرتے ہیں۔" ان آیات میں جھوٹ کی لعنت کو خدا تعالیٰ نے کفار کے حق میں ذکر فرمایا ہے کہ یہ انکی عادت ہے۔ پس مسلمان کیسے گوارا کر سکتا ہے کہ اس لعنت کو اپنے خدا سے نسبت دے۔

تجربہ شاید ہے کہ جرائم پیشہ گرفتاروں کو حاکم جس دام یا قتل کی سزا دیتے ہیں۔ مگر کسی خاص مقرب کی سفارش سے یا اپنی خاص رحم دلی سے

یا رحم کی درخواست پر انکو معافی بھی دیدیتے ہیں۔ اور رہا کرتے ہیں۔ تو کیا اس صورت میں ان حکام کو وعدہ خلافت یا جھوٹا کہا جاسکتا ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ اس معافی کا نام ذاتی اختیار کا استعمال ہے۔ اور احسان اور کمال پہنچاتی ہے۔ پس حاصل یہ ہے کہ جو شخص اس رحیمانہ سلوک خداوندی کو جو وہ اپنے مجرم بندوں کے حق میں استعمال کرے گھما کذب کا عنوان دیتا ہے وہ خود خدا پر جھوٹ باندھتا ہے۔ تم خود ہی بتاؤ کہ اس شخص سے بڑھکر اور کون زیادہ ظالم ہو سکتا ہے۔ جو خدا پر جھوٹ باندھے یا اسکی آیات کی تکذیب کرے۔ اصل بات یہ ہے کہ ظالموں کی نجات نہ ہوگی۔ مخالف اعتراض کیا کرتے ہیں کہ کیا خدا ہر شے پر قادر نہیں تو جھوٹ پر کیوں قادر نہ ہوگا (جواب) بیشک صیحح ہے لیکن قدرت البینا ممکن اور نامتناہی ہے کیطرف متوجہ نہیں ہوا کرتی چنانچہ خدا اپنا شریک پیدا نہیں کرتا۔ اور اسی طرح کے اور نا واجب کام نہیں کرتا۔ پس ایسے بکواسات سے انسان کا فرض ہے کہ اپنی زبان کو روک رکھے۔



## ۳۳ اولیاء اللہ سے امداد طلب کرنا

ان مسائل میں سے استمداد کا مسئلہ بھی ہے جو صلحاء کی ردھوں سے  
کی جاتی ہے۔ مخالف کہتے ہیں کہ ناجائز ہے اور جو اللہ کے سوا کسی اور  
سے استمداد کرتا ہے وہ خدا سے شرک کرتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس پر دو طریق  
سے بحث ہے۔ اول صرف استمداد اور عدم استمداد پر، دوم استمداد سے نفع یا  
عدم نفع پر۔

نفس استمداد یعنی کسی سے امداد طلب کرنا۔ تو وہ زندوں سے عالم طور  
پر حاصل کیا جاتی ہے۔ اور کثیر الاستعمال اور مشہور ہے۔ چنانچہ مخالف بھی دنیاوی  
امور میں (مثلاً تعمیر مدارس، تبلیغ مذہب و طیبہ، اور اجرائے اخبارات)  
میں لنگے ہاں بھی پائی جاتی ہے۔ تو اگر صرف استمداد ہر طرح سے شرک ہے۔  
تو مخالف خود شرک کر رہے ہیں۔ اور نفس استمداد میں ہمارے اور ان کے درمیان  
کوئی فرق نہیں۔ مگر یہ فرق ضرور ہے کہ وہ فانی جسموں سے استمداد کرتے ہیں۔  
اور ہم پاک اور غیر فانی ارواح سے استمداد کرتے ہیں۔

اب یہ استمداد سے نفع، تو اللہ تعالیٰ کا ارادہ اگر چاہے تو ہم کو  
ارواح طیبہ نفع دیتے ہیں۔ اور انکو فانی جسم نفع دیتے ہیں۔ اگر وہ چاہے تو ہم  
کو ان سے نفع ہو سکتا ہے نہ ان کو۔ اب اگر وہ یوں کہیں کہ ہم تو زندوں کے بدن سے  
استمداد کرتے ہیں اور تم مردوں کی ردھوں سے استمداد کرتے ہو۔ تو ہم کہتے ہیں  
کہ دراصل تم بھی ارواح سے ہی استمداد کرتے ہو۔ کیونکہ درحقیقت دینے والا  
روکنے والا روح ہی ہے۔ خواہ وہ جسم سے خارج ہو یا اس میں داخل ہو۔

## ۲۲ بچوں کے نام انبیاء و اولیائے منسوب کرنا

ان مسائل میں سے یہ مسئلہ بھی ہے کہ کچھ لوگ اپنے بچوں کے نام انبیاء علیہم السلام یا صلحائے اُمت کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ مگر مخالف اس شخص پر شرک کا فتویٰ لگا دیتے ہیں۔ جو اپنے بچوں کا نام نبی بخش، رسول بخش یا غلام محمد یا غلام صدیق یا اسی قیم کا اور نام رکھے۔ کیونکہ اولاد دینے والا خدا ہی ہے۔ اور یہ جائز نہ ہو گا کہ اپنے بچے کا نام غیر اللہ کی طرف منسوب ہو اور غلام عبد کے معنی میں ہے۔ اور ہم سب عباد اللہ ہیں۔ اور عبدیت کی نسبت غیر اللہ کی طرف جائز نہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ مان لیا کہ معطی اور مانع در حقیقت خدا ہی ہے مگر تاہم عطیہ کو غیر اللہ کی طرف منسوب کرنا مجازی طور پر جائز ہوتا ہے۔ کیوں کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضرت مریم علیہا السلام کے پاس آ کر یوں کہا تھا کہ تم کو پارسا لڑکا بخشے آیا ہوں۔ اور یوں نہیں کہا تھا کہ اسنے آیا ہوں کہ خدا تم کو لڑکا بخشے گا۔ جو پارسا ہو گا۔ تو جب جبرائیل علیہ السلام لڑکا دے سکتے ہیں تو کیوں حضور علیہ السلام کی طرف یہ عطیہ منسوب کرنا مجازی طور پر جائز نہ ہو گا اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ قول جبرائیلؑ تو امر الہی تھا اور تم کو کس نے حکم دیا ہے۔ تو جواب میں ہم کہتے ہیں کہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ بیشک قول جبرائیلؑ امر الہی تھا۔ مگر اس نے ہمارے واسطے جواز کا دروازہ کھول دیا ہے۔

اب رہا لفظ غلام تو اگرچہ وہ فارسی محاورہ میں عبد کے معنی میں ہے۔ تاہم اپنے بچوں کو صلحائے اُمت کے غلاموں کے ساتھ تشبیہ دینے میں کیا قیامت ہوگی۔ اور صلحائے اُمت مراد نبی ہیں۔ اور صحابہؓ اور اُمت محمدیہؓ کے نیک بندے۔



کیا ان کے پاس خود اپنے غلام نہ ہوتے تھے یا انکو اپنی ذات سے منسوب نہ کرتے تھے؟۔ اور یوں دیکھتے تھے کہ لے میرے بندے اور لے میری لونڈی کیا خدا نے ان کو ان سے منسوب نہیں کیا کہ، **وَالْكُفُّوْا اِلَّا بِمَا عَلٰی صِنْكُمُ** **وَالصَّالِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاَمَّا بَكُمُ** (پارہ ۱۸۔ سورۃ النور۔ رکوع ۴) ”تم اپنے بندوں اور اپنی بندگیوں کے نکاح کرادیا کرو۔“ پس حقیقت میں تمام غلام اور تمام آزاد لوگ خدا کے بندے ہیں اور غلام اپنے آقاؤں کے مجازی طور پر بندے ہیں۔ چنانچہ ہم نے اس کتاب کے آغاز میں قرآن مجید میں کثرت کیساتھ حقیقت و مجاز کا استعمال ذکر کر دیا ہوئے۔ علیٰ بذالقیاس لوگوں کے بچے حقیقت میں اللہ کے بندے ہیں اور صلحائے امت کے مجازی طور پر بندے ہیں یہ پہلی تحریر کا آخری مقام ہے جس کا ہم نے ارادہ کیا تھا۔

یا اللہ میں نے اس تحریر سے اور کوئی ارادہ نہیں کیا سوائے اس کے کہ مسلمانوں کے عقائد کجروی اور گمراہی سے درست ہوں۔ پس اگر یہ تحریر تیری طرف سے ہے تو میں تیرا احسان اور فضل ماننا ہوں۔ تو اس سے اپنے مومن بندوں کو نفع دے اور اگر یہ تحریر غلط ہے تو یہ غلطی میرے نفس سے سرزد ہوئی ہے۔ اسلئے میں تجھ سے معافی اور مغفرت طلب کرتا ہوں یا اللہ میں حق بات کو حق کر کے دکھلا اور حق کی اتباع ہماری قسمت میں کر اور باطل کو ہمیں بھی باطل کر دکھلا اور ہمیں اس سے پرہیز بخش۔ **وَصَلٰی اللہ علی سیدنا محمد خیر خلقہ و نور عرشہ و علی آلہ و اصحابہ و اتباعہ و صالحی امتہ اجمعین۔ امین یارب العلمین۔**

تحریر رسالہ ہذا بروز دوشنبہ ۱۴ محرم الحرام ۱۲۶۰ھ بمطابق ختم ہوئی۔

## اللَّهُمَّ تَنْجِينَا

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ صَلَواتُكَ  
تَنْجِينَا بِهَا مِنْ جَمِيعِ الْأَهْوَالِ وَالْأَفَاتِ  
وَتَقْضِي لَنَا بِهَا جَمِيعَ الْحَاجَاتِ وَتُطَهِّرُنَا  
بِهَا مِنْ جَمِيعِ السَّيِّئَاتِ وَتَرْفَعُنَا بِهَا عِنْدَكَ  
أَعْلَى الدَّرَجَاتِ وَتُبَلِّغُنَا بِهَا أَقْصَى الْغَايَاتِ  
مِنْ جَمِيعِ الْخَيْرَاتِ فِي الْحَيَاةِ وَبَعْدَ الْمَمَاتِ  
إِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ